جلد نمبر ۴ | वर्ष 04

शमارہ نمبر ۱۲ | अंक 12

صوفی ازم اور علم و ادب کا بے باک ترجمان

RAHBARE NOOR

QUARTERLY URDU

سہ ماہی رہبر نور

مکن پور شریف

سلسلہ اشاعت کا چوتھا سال

Rs. 50/-

JAN. FEB. MARCH-2023 /// جمادی الاخری، رجب، شعبان، ۱۴۴۴ھ

دنیا کا سب سے عظیم ترین اور شفیق باپ

بارگاہ رسالت میں ایک نابینا شخصیت

چودھویں رات کی دوشیزہ

قبر پر اذان کہنا کیسا ہے؟

مولائے کائنات علی مرتضیٰ علیہ السلام

ماہ شعبان المعظم کی فضیلت

تاریخ مکن پور شریف اور تذکرہ مشائخ مداریہ

کیا کفر حرمت مصابرت کے لئے مانع ہے؟

چیف ایڈیٹر ابوالمشرب سید مقتدا حسین جعفری دار النور مکن پور شریف کانپور (انڈیا)

This PDF Download from Madaarimedia.Com

MADAARI MEDIA
The Silsila e Aaliya Madaariya Social Platform

سلسلۂ مداریہ کے بزرگوں کی سیرت و سوانح
سلسلۂ عالیہ مداریہ سے متعلق کتابیں
سلسلۂ مداریہ کے علماء کے مضامین تحریرات
سلسلۂ مداریہ کے شعراء اکرام کے کلام

حاصل کرنے کے لئے اس ویب سائیٹ پر جایئے
www.MadaariMedia.com

@MadaariMedia
@MadaariMedia
@MadaariMedia
@MadaariMedia

Authority : Ghulam Farid Haidari Madaari

Www.MadaariMedia.Com
مداریہ کتب خانہ
واٹسپ گروپ

بفیض روحانی۔ شہنشاہ ولایت سیّد بدیع الدّین احمد قطب المدار مدار العالمین رضی اللہ عنہ

بیادگار الحاج ڈاکٹر سیّد مرتضیٰ حسین رہبر والحاجہ سیّدہ نور النہار فاطمہ علیہما الرحمۃ والرضوان

سہ ماہی رہبر نور

مکن پور شریف

جمادی الاخر، رجب شعبان ۱۴۴۴ھ
Jan., Feb. , March 2023

QUARTERLY
RAHBARE NOOR
URDU

مجلس مشاورت

عزت مآب
مشائخ مکن پور شریف
و
جملہ علمائے کرام
سلسلہ عالیہ مداریہ

مجلس ادارت

چیف ایڈیٹر
ابوالمشرب سیّد مقتدا حسین جعفری

مینیجنگ ایڈیٹر
ڈاکٹر سیّد اقتدا حسین جعفری عامر

ایڈیٹر
مفتی سیّد نثار حسین جعفری مداری

جوائنٹ ایڈیٹر
مولانا سیّد ازبر علی مداری

سرکلیشن مینیجر
سیّد شعب غازی مداری
و
سیّد قمر حسین جعفری

OWNER
PRINTER &
PUBLISHER
MUQTIDA HUSAIN
JAFRI
BY PRINTED -
INSHA PRINTERS
91/4 HIRA MAN
PURWA, KANPUR
&
PUBLISHED
FROM-VILL.
&
POST. MAKANPUR
KANPUR

स्वामी, प्रकाशक एवं मुद्रक- मुक़तिदा हुसैन जाफ़री ने इंशा प्रिन्टर्स 91/4, हीरामन पुरवा, कानपुर से छपवाकर संपादक-मुक़तिदा हुसैन जाफ़री ने कार्यालय रहबरे नूर मकनपुर शरीफ कानपुर से जारी किया

ALL DISPUTED
MATER IN VALID
KANPUR JURISDICTION

ایڈیٹر، پبلشر و پرنٹر مقتدا حسین جعفری نے انشاء پرنٹرس 91/4 ہیرامن کا پوروہ، کانپور سے چھپوا کر دفتر رہبر نور مکن پور شریف سے جاری کیا۔

رسالہ میں شائع ہونے والے مضامین آپ کی معلومات میں اضافہ کریں گے لیکن مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق رائے ہونا ضروری نہیں ہے

اس شمارے میں

نمبر شمار	مضامین	تحریر	صفحہ نمبر
1	اداریہ		3
2	دنیا کا سب سے عظیم ترین اور شفیق باپ		4
3	ایک نابینا شخص کی حاضری	مولانا محمد اسماعیل سہانپوری	6
4	فاتح مناظرہ اجمیر الحاج سید محمد مرغوب عالم جعفری	ازقلم :ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری۔	14
5	یک روزہ حضور امیر الاولیاء سیمینار		18
6	چودھویں رات کی دوشیزہ	علامہ ارشد القادری	19
7	کچھ ایسی داستانیں دفن ہیں گورغریباں میں	ازقلم :سید ازبر علی جعفری ارغونی مداری	34
8	قبر پر اذان کہنا کیسا ھے؟		39
9	فضائل ومسائل اور دلائل تراویح	ڈاکٹر فیض احمد چشتی	41
10	۲۰ رکعات تراویح کا مدلل ثبوت		50
11	ایک اہم مسئلہ اور اس کا مستحکم جواب		56
12	بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ	ارشاد احمد بنارسی	59

This PDF Download from Madaarimedia.Com

اداریہ

کیا ہم اسلامی روایات کے محافظ ہیں؟

بدلتے وقت، ماحول اور زمانے کے انقلابی دور نے اسلامی روایات کے تقدس وطہارت کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔کل تک ہم جماعتوں اور مکاتب فکر میں تقسیم ہوکر اسلام کی سچی اور پاکیزہ روایات کو اپنی جیب کا سکہ بنا کر چلارہے تھےاور آج تو حالات یہ ہیں کہ ہر شخص اپنی نام آوری، شہرت اور دنیاوی مقام ومرتبہ کے جال میں الجھ کر دین اور دنیا کے اختلاط کا زہر پھیلا رہا ہے۔آج ہم یہ فکر کرنے کو تیار نہیں کہ آنے والا وقت ہماری ہی حرکات وسکنات کا آئینہ دار ہوگا اور اپنے اسلاف واکابرین کی خدمات جلیلہ، ان کے پاکیزہ کردار، ان کے اخلاق کریمانہ اور ان کی مجاہدانہ زندگی کے ہر پہلو کو نظرانداز کردیگا۔

کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ یہ وہی ہندوستان ہے جس کی علم وحکمت سے خالی خشک دھرتی پر 1162 برس پہلے یعنی 282ھ میں شہنشاہ ولایت سید بدیع الدین قطب المدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچی اسلامی روایات کو پیش کیا تھا اور اپنے پاکیزہ کردار سے ہندوستان کے ہر خطۂ ارضی پر شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی قانون کے سرسبزو شاداب باغیچے لگادیئے تھے جن کی ہریالی کو آج تک کوئی طوفان مٹا نہیں سکا ہے۔

یکم شوال المکرّم 1444ھ کو ہم حضور سید بدیع الدین قطب المدار رضی اللہ عنہ کا 1202 یوم ولادت منارہے ہیں۔

آیئے ہم سب مل کر اسلام کے اس سچے مجاہد، ولی کامل، اور ہندوستان میں اسلام کے مبلغ اعظم کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے اپنی زندگی کو اسلامی روایات کے سانچے میں ڈھالنے کا عہد کریں۔

چیف ایڈیٹر

محبت وشفقت میں ڈوبی بے مثال زندگی

دنیا کا سب سے عظیم ترین اور شفیق باپ

ایک خاص طرح کا محدود دینی تصور رکھنے والوں کے نزدیک بزرگ اور خدا رسیدہ شخص کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ دنیا سے بالکل بے تعلق ہو۔ خدا کی یاد میں وہ ایسا محو ہو کہ اسے اپنے اہل وعیال کی مطلق کوئی پروانہ ہو۔ لیکن سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ دینداری کا یہ تصور سنت کے بالکل خلاف ہے۔ آپ کا اسوۂ مبارک تو ہمیں اولاد سے محبت کرنا سکھاتا ہے۔ ہمیں ان کا ہمدرد اور غم خوار بناتا ہے آپ کے ارشاد کے مطابق تو مومن محبت کا محل ہوتا ہے پھر وہ اپنے متعلقین کو بالخصوص اپنی اولاد کو کیونکر بھول سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جس طرح ایک قائد، مصلح اور حاکم کے لئے سب سے بہتر نمونہ موجود ہے اسی طرح ایک باپ بھی آپ کی حیات طیبہ سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ بعض روایات کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ بچے پیدا ہوئے۔ قاسم، طیب، طاہر، ابراہیم چار بیٹے اور فاطمہ، زینب، ام کلثوم اور رقیہ چار بیٹیاں تھیں۔ بیٹے تو سبھی شیر خواری ہی کے زمانہ میں داغ مفارقت دے گئے۔ بیٹیاں البتہ بڑھیں۔ جوان ہوئی، اور بیاہی گئیں۔ حضرت ابراہیم کے علاوہ تمام بچے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔

اولاد سے آپ کو والہانہ محبت تھی۔ ابراہیم پیدا ہوئے تو بے حد خوشی ہوئی۔ اور مژدہ سنانے والے کو ایک غلام عطا فرمایا۔ آپ ابراہیم کو دیکھنے کے لئے حوالی مدینہ میں ان کی دایہ کے یہاں برابر جایا کرتے۔ اور انہیں گود میں لے کر دیر تک برابر پیار کرتے رہتے۔ جب بیماری کی اطلاع ملی، فوراً تشریف لے گئے۔ نزع کی حالت دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان کے استفسار پر فرمایا یہ تو محبت ورحمت کے آنسو ہیں۔ میں نے صرف بیان کرنے اور چیخنے اور چلانے سے لوگوں کو منع کیا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جب شادی ہوئی تو پانچ سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی۔ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی عتبہ بن ابو جہل اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی عتبہ بن ابولہب سے ہوئی تھی۔ بعثت کے بعد دونوں بیٹیوں کو طلاق ہوگئی۔ اور بعد کو یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ کا انتقال غزوۂ بدر کے بعد ہوا ہے۔ ایک بچہ پیدا ہوا تھا مگر وہ بھی زندہ نہ رہا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوگئے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو رہا کرانے کے لئے اپنے گلے کا ہار بطور فدیہ خدمت میں بھیجا تھا۔ انہیں اپنے شوہر سے بے حد محبت تھی۔ ہار دیکھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا تھا تو یہ ہار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بطور جہیز دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کیا عذر ہوتا۔ بیٹی کو ہار واپس فرمادیا۔ اور ابوالعاص رضی

اللہ عنہ کو اس وعدہ پر چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو فوراً مدینہ بھیج دیں گے۔ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ مکہ آئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیا۔ بعد میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ دولت اسلام سے فائز ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے کہ ابوالعاص کا سلوک بیوی کے ساتھ نہایت شریفانہ ہے تو آپ کو بڑی خوشی ہوتی اور بار باران کی تعریف سب کے سامنے کرتے۔

آپ کو حضرت زینب، حضرت فاطمہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن سب ہی سے انتہائی محبت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے حبشہ گئے تو ان کے ساتھ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ان کی مفارقت کا آپ پر بے حد اثر تھا۔ جب تک خیریت معلوم نہ ہوئی پریشان و سراسیمہ رہے۔ کہیں ایک عورت حبشہ سے آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فوراً بلوایا۔ اس نے کہا حضور دونوں خیریت سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی بے چینی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ تم ان دونوں کو دیکھ بھی آئی ہو۔ اس نے کہا جی ہاں! میں مل کر آئی ہوں۔ یہ سنتے ہی آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ نکلا۔ الحمد للہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کو ساتھ لیکر ہجرت کی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پانچ بچے حسن، حسین، محسن، زینب اور کلثوم ہوئے۔ محسن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی آخر میں تنہا رہ گئی تھیں۔ اور مدینہ میں آپ کے قریب ہی رہتی تھیں اس لیے شفقت پدری کی مرکز بنی ہوئی تھیں۔ آپ ذرا بھی زوجین کے تعلقات میں کوئی ناخوشگواری پاتے تو بعجلت پہونچ کر صفائی کراتے۔ ذرا سی تکلیف سنتے بے چین ہو جاتے۔

آپ کی محبت کا یہ حال تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضرت حسن، حضرت حسین اور امامہ سے بے حد محبت تھی۔ دوش مبارک پر لئے رہتے۔ پیار فرماتے اور کہتے کہ یہ میرے گلدستے ہیں۔ امامہ آپ کی نواسی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دو بچے تھے امامہ اور علی۔ علی کا تو بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا مگر امامہ دیر تک زندہ رہیں۔

اولاد کے ساتھ حد درجہ محبت و شفقت کے باوجود آپ اپنے لئے کبھی دنیوی نمود ونمائش کے روادار نہ ہوئے۔ نہ بیویوں کو زیور پہننے دیتے نہ بیٹیوں کو۔ آپ کو اولاد سے ہزار محبت تھی مگر آپ کی محبت اندھی نہ تھی۔ محبت کا حال تو یہ تھا کہ فرمایا فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جس سے اسے دکھ پہنچا اس سے مجھے دکھ پہنچے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خدا کی محبت اور عظمت کا دل پر یہ اثر تھا کہ ایک موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک سوز وگداز سے معمور تھا۔ کوئی دل کشی اور خوبی یا رعنائی ایسی نہیں جس سے آپ متصف نہ رہے ہوں۔ جو آپ کے پاس بیٹھتا اس کا دل معمور اور روح مسرور ہو جاتی۔ آپ حد درجہ دردمند خلیق اور محبت کرنے والے تھے کسی کی داستانِ درد سنتے تڑپ اٹھتے، ایک صحابی نے آپ سے زمانہ جاہلیت کا اپنا ایک واقعہ تفصیل سے سنایا کہ میں اپنی چھوٹی سی بچی کو جب زمین میں دفن کرنے لگا تو حالت یہ تھی کہ میں اس پر مٹی ڈال رہا تھا اور وہ ابّا ابّا پکار رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں فرمایا تم یہ قصہ پھر سے سناؤ۔ دوبارہ سناؤ تو فرط تاثر سے آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ یہ دردمندی تھی جس کا اظہار متعلقین کے ساتھ بھی ہمیشہ ہوتا رہا۔

☆☆☆

دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں

ایک نابینا شخص کی حاضری

مولانا محمد اسماعیل سہانپوری

ایک دن حرم کعبہ میں سردارانِ قریش جمع تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسلام کے بارے میں سمجھا رہے تھے کہ عبداللہؓ ابن ام مکتوم نابینا ایک قائد(آنکھ والا رہبر) کے ساتھ ادھر آنکلے اور درمیان گفتگو میں پوچھا کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے سکھایا ہے، مجھے بھی سکھایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے قائد کو سمجھایا۔ قائد کی بات ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے نہ مانی اور گفتگو میں پھر دخل انداز ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اور دوسرے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی۔ یہ واقعہ سورۂ عبس کا شانِ نزول بنا اور وحی نازل ہوئی:۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی. اَنْ جَآئَهُ الْاَعْمٰی. وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰی. اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی. اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی. فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی. وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰی. وَاَمَّا مَنْ جَآئَكَ يَسْعٰی. وَهُوَ يَخْشٰی. فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی.

ترجمہ:۔ تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس سے کہ آیا اس کے پاس اندھا اور کس چیز نے معلوم کروایا تجھ کو، شاید کہ وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت سنتا۔ پس فائدہ دیتی اس کو نصیحت پر جو شخص کہ بے پروائی کرتا ہے بس تو واسطے سنا کے تقید کرتا ہے اور کیا ملامت ہے اوپر تیرے یہ کہ ناپاک ہووے وہ۔ اور جو کوئی آیا تیرے پاس دوڑتا ہوا اور وہ ڈرتا ہے پس اس سے تغافل کرتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات اور ان کی شانِ نزول سے مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

(۱) عبداللہ ابن ام مکتوم مسلمان تھے اور جو مسائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کو تبلیغ فرمارہے تھے، یہ انہیں مکرر پوچھ کر سمجھنا چاہتے تھے۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ یہ دخل اندازی نہ کریں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سردارانِ قریش کو اسلام سمجھا سکیں۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ شاید ان میں سے کوئی مسلمان ہو جائے اور اس ابتدائی دور میں کسی سردار قبیلہ کا مسلمان ہو جانا اسلام کی تقویت کا باعث ہوتا جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مسلمان تھے اور یہی مسائل انہیں کسی دوسرے وقت سمجھائے جاسکتے تھے اس لئے اُن کی دخل اندازی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوارِ خاطر ہوئی۔

(۴) نابینا سائل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو جھڑکا اور نہ

براہ راست خاموش ہونے کو فرمایا بلکہ اس کے ساتھی کو اشارہ فرمایا تا کہ نابینا کی دل شکنی نہ ہو کیونکہ اس کا ارادہ نہایت پاک تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے آدمیوں سے مصروفِ گفتگو ہو گئے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر اُن کے قائد نے انہیں ٹوکا تو انہوں نے نہ مانا کیونکہ وہ اُسے قائد کی بات سمجھے۔

(۶) نابینا ہونے کی وجہ سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کو بھانپ نہ سکے۔

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح دوسری طرف مصروف گفتگو ہونے پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اگرچہ خاموش رہے، لیکن اُن کے دل پر یہ بات شاق گزری اور جیسا کہ ایسے موقع پر نابینا افراد محسوس کرتے ہیں۔ انہیں یہ خیال ہوا ہوگا کہ نابینا ہونے کی وجہ سے انہیں نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ یہی احساس پستی نابینا کو خود سے اور معاشرے سے متنفر کر دیتا ہے۔ بہرحال اُن کی اس ذہنی خلش کی خدائے بزرگ و برتر نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی دی۔

(۸) چونکہ اسلام سے قبل اہل عرب نابینا افراد کو معاشرہ کا ناکارہ فرد سمجھتے اور ان کے ساتھ مل کر کھانے پینے کو باعث ننگ سمجھتے تھے، اس لئے اس کا امکان تھا کہ وہ یہ نتیجہ اخذ کر لیتے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی نابینا افراد کے بارے میں انہیں کے ہم خیال ہیں۔ **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا.**

(۹) نابینا انسان جو راہِ راست پر ہو وہ آنکھ والے بے راہ انسانوں سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے اور اس کی نابینائی سے اس کی انسانیت میں کمی واقع نہیں ہوتی اور وہ صحیح سالم افراد کی طرح زندگی میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔

(۱۰) یہ واقعہ قرآن کریم کو خدا کا کلام ثابت کرنے میں زبردست دلیل ہے۔ جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک طرز عمل پر نکتہ چینی فرمائی گئی ہے اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ رسول امین ہیں جو خود کے بارے میں ایسی وحی کو پوری امانت کے ساتھ قوم کے سامنے رکھ دیتے ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے۔ اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی رشتہ داری تھی۔ قدیم الاسلام تھے اور اُن سَابقون الاوّلون میں سے تھے جنہیں ابتدائی مکی دور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ پیدائشی نابینا تھے۔ بقول زرقانی:

وزعم بعضهم انه ولد اعمیٰ فکنت امه به لا کتتام نور بصره.

یہ نابینا پیدا ہوئے اس لئے ان کی والدہ محترمہ نے ان کی کنیت ابن ام مکتوم مقرر کی۔

تجسس علم حاصل کرنے کے لئے بڑا ضروری عنصر ہے آنکھ والے افراد اپنے گرد و پیش کو بیک نظر دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں، نابینا افراد ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لئے اپنے گرد و پیش سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے یا تولمس یا آوازوں کو سن کر ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ بصورتِ دیگر انہیں پوچھنا پڑتا ہے۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ میں تجسس کا کتنا مادہ تھا۔ یہ تو اس واقعہ سے ہی معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کی آواز سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑے

ہوئے آئے۔

اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آئے۔

یہ تجسس تحصیل علم کے شوق میں تبدیل ہوگیا۔ زرقانی کی مذکورہ بالا روایت سے یہ بھی ظاہر ہورہا ہے کہ یہ اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔

نزول سورۂ عبس کے بعد تو جب بھی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

اس کو خوش آمدید جس کے معاملے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا اور آپ اُن کے لئے اپنی چادر بچھا دیتے۔

اور ابن جریر نے روایت کی ہے کہ آپ اس کے ساتھ ہی اُن کی ضروریات بھی پوچھ لیتے۔

دورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عملی طور پر تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ نازل شدہ وحی کو حفظ کروانا۔ اس کے معانی ومطالب، روزمرہ پیش آنے والے مسائل اوران کا حل، ارکان اسلام کی عملی تعلیم وغیرہ۔ اس تعلیم میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دوسرے آنکھ والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دوش بدوش شریک رہے۔ آنکھ والے افراد سے الگ رہ کر نابینا فرد خود میں کمی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے وہ خود کو زندگی کی دوڑ میں آنکھ والوں کے برابر کبھی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ طریقۂ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی گنجائش نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات انسانی کا وہ سبق دیا جس سے واضح ہوگیا کہ جسمانی نقص رکھنے والے افراد خود کو صحیح سالم افراد سے کم تر نہ سمجھیں۔ اس کے نتیجے میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ میں خود اعتمادی پیدا ہوئی، جو نابینا فرد کی تعلیم و تربیت کا پہلا قدم ہے۔

اس خود اعتمادی کی وجہ سے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینائی کی وجہ سے پیدا ہونے والے احساس پستی کا شکار نہ ہو سکے اور دوسرے صحیح سالم افراد کی طرح زندگی اور اپنے ماحول میں دلچسپی لینے لگے۔

چنانچہ جب آیت لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ ... الخ نازل ہوئی جس میں ارشاد خداوندی تھا کہ جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے والے مؤمن اس میں شرکت نہ کرنے والے مومنوں سے زیادہ مراتب پائیں گے۔ علم دین کے شائق ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اپنے عذر نابینائی کے تعلق سے اس ارشاد خداوندی کو سمجھنا چاہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا عذر پیش کیا۔ اس پر آیت غیر اولی الضرر نازل ہوئی یعنی معذور افراد اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(دیکھو صحیح مسلم باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین)

اگر ان میں خود اعتمادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے پیدا ہو جاتی تو اس آیت کے نتیجے میں بہر حال احساس کمتری کا شکار رہتے۔ لیکن آگے بڑھ کر پوچھ لینے سے استثناء کی اجازت مل گئی اور اس طرح دوسرے سب معذور افراد کی نمائندگی بھی ہوگئی کیونکہ:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"۔

"خدا کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

اس طرح نماز باجماعت کی تاکید کے موقع پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا کیونکہ وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کافی فاصلے پر رہتے ہیں، راستے میں جھاڑیاں وغیرہ ہیں اور ہر وقت کسی قاعد کا ملنا بھی مشکل ہے، اس لئے نماز باجماعت سے انہیں مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے گھر تک اذان کی آواز سنائی

دیتی ہے؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: تم پر نماز باجماعت ضروری ہے۔

(المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، تذکرہ ابن ام مکتومؓ)

مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نابینا فرد کے ساتھ حد سے زیادہ رعایت نہ برتی جاتی تھی۔ ورنہ ایسا کرنے سے نابینا فرد سستی اور کاہلی کا شکار ہو جاتا۔ اپنی جائے رہائش اور اس کے اطراف واکناف میں اس کا چل پھر لینا خود سا کے اندر زندگی کی اُمنگ کو باقی رکھ سکتا ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نماز باجماعت سے مستثنیٰ نہیں فرمایا اور یہ ثابت فرمادیا کہ جو حرکت اور کام نابینا افراد خود کرسکیں اس کے لئے ان کی مدد نہ کرنی چاہئے تا کہ اُن میں خوداعتمادی پیدا ہو۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل مدینہ ہجرت کرنے والوں میں ابواحمد بن جحش رضی اللہ عنہ کا نام لیا جاسکتا ہے جو نابینا تھے اور مکہ میں نشیبی اور بالائی علاقوں میں بغیر قائد کے پھرتے تھے۔

(تاریخ الطبری: ج۲، ص: ۹۷)

بہر حال اسلام کے دوراوّل میں نابینا افراد کو محض ناکارہ نہ سمجھا جاتا تھا اور وہ دوسرے افراد کی طرح روزمرہ کی زندگی میں اپنا کردار ادا کرتے تھے اور قومی و مذہبی اجتماعی کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ اسی سلسلے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر اپنی اونٹنی جدعا پر سوار ہو کر طواف فرمایا اور ابن ام مکتومؓ اس کی نکیل تھامے رجز پڑھتے جاتے تھے۔''

(المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ: تذکرہ ابن ام مکتومؓ)

نابینا افراد کی تربیت فرد واحد کا کام نہیں ہے بلکہ سارے معاشرے کا رویہ نابینا افراد کے بارے میں ایسا ہو کہ وہ خود کو تنہا محسوس نہ کریں۔ انہیں یہ محسوس ہو کہ معاشرہ ان میں دلچسپی رکھتا ہے۔ نتیجے میں وہ بن خود بھی اپنے معاشرے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ اسی سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل عملی نمونہ قائم فرمایا ہے:۔

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے ساتھ چلو بنی واقف کے ایک بصیر کی عیادت کریں اور وہ نابینا شخص تھا۔''

(السنن للبیہقی ج۱۰، ص: ۲۰۰)

دوسری روایت میں ہے:

''محمد بن جبیر بن معطمؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے ہمارے ساتھ بنی واقف کی طرف چلو، ہم ایک بصیر سے ملاقات کریں گے سفیان نے کہا بنی واقف انصار کا ایک قبیلہ ہے اور وہ شخص نابینا تھا''۔

(السنن للبیہقی ج۱۰، ص۲۰۰)

پہلی روایت میں نابینا مریض کی عیادت کے لئے اور دوسری روایت میں ملاقات کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا اور اس پر اپنے ساتھیوں کو شوق دلانا ثابت ہے۔ اس کے نتیجے میں نابینا فرد خود کو تنہا نہیں پاتا اور محسوس کر لیتا ہے کہ اس کی زندگی سے معاشرہ کو دلچسپی ہے اور زندگی کی مشکلات پر قابو پانے کے سلسلے میں معاشرہ کی تمام تر ہمدردیاں اس کے ساتھ ہیں دوسری بات جو ہر دو روایت میں مذکور ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نابینا فرد کے بارے میں بصیر (دیکھنے والا یا بصیرت رکھنے والا) فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نابینائی ایک جسمانی نقص ہے، عیب نہیں، اور عام طور پر ایسے افراد کے سامنے یہ لفظ بطور عیب کے کہا جاتا ہے جس سے اُن کا ذہن فوراً اس کمی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جس کا پورا ہونا بعض صورتوں میں ناممکن ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جب تک

بینائی نہ ہو معاشرے کے دوسرے افراد انہیں کمتر سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونۂ عمل سے نابینا فرد کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بینائی نہ رکھتے ہوئے بھی دوسرے صحیح سالم افراد کی طرح اپنے ساتھ برتاؤ ہوتا محسوس کر کے عزت نفسی جیسی کیفیت اس میں پیدا ہوتی ہے۔

نابینا افراد کی ذہنی تربیت کے سلسلے میں معاشرہ کا ان کے ساتھ برتاؤ ایک ضروری عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رویے سے ظاہر ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ وہ اور میمونہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں کہ اتنے میں ابن ام مکتومؓ داخل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردہ کرلو۔ دونوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو نابینا ہیں ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم دونوں بھی نابینا ہو اور انہیں نہیں دیکھ سکتی ہو؟''

اس حدیث اور دوسری روایات سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں: ایک تو یہ کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ اور دین کا علم حاصل کرتے رہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ نابینا فرد سے پردہ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ نے کروایا جیسا کہ آنکھ والے افراد سے، کیونکہ اسلام میں غض بصر کا حکم مومن عورتوں اور مردوں کے لئے یکساں ہے۔ اور نابینا فرد سے پردہ کر کے اسے دوسرے مردوں کی طرح سمجھا جا رہا ہے اور اس سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جا رہا ہے۔ اور نابینا افراد سے معاشرہ کا امتیازی سلوک ہی نابینا افراد کی تربیت اور آبادکاری میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

سورۂ عبس میں مذکور واقعہ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں ملتا ہے ظاہر ہے کہ اس دور میں ان کی تعلیم و تربیت ہوتی رہی ہے۔ آخری مکی دور میں بیعت عقبۂ اولیٰ کے موقع پر انصار مدینہ کی خواہش پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اسلام کی تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا: ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کے ساتھ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ یہ حضرات نومسلموں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور غیر مسلموں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ یہ دونوں ابوامامہ اسعد بن زرارہ کے پاس اترے۔ مسلمانوں کی امامت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ کرتے تھے اور جب چالیس افراد موجود ہوتے تو جمعہ پڑھاتے تھے۔ ان دونوں حضرات کے ہاتھ پر کثیر تعداد میں لوگ ایمان لائے جن میں اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ اور ان دونوں کے اسلام لانے سے قبیلہ بنوعبدالاشہل کے سارے مرد اور عورتیں اسلام لے آئے۔ (زادالمعاد۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۷)

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بحیثیت مبلغ مدینہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجے جانے کا ذکر علامہ ابن حزم نے اپنی کتاب ''جوامع السیرۃ'' صفحہ ۷۲ اور ابن خلدون نے جلد دوم صفحہ ۱۸۳ میں اور سیرۃ حلبی کے مصنف علامہ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی نے سیرۃ حلبی صفحہ ۴۰۵ میں کیا ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

اب ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر علی الاعلان تبلیغ کا یہ پہلا موقع تھا اور اس موقع کے لئے آزمودہ کار مبلغین ہی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب ان دونوں حضرات پر پڑی اور یہ دونوں اس امتحان میں پورے

کامیاب ثابت ہوئے۔ان کی یہ کامیابی خود مکہ معظمہ میں ان کی تبلیغی کوششوں کو ظاہر کرتی ہے جن کوششوں نے انہیں تجربہ کار مبلغ بنایا اور انہیں کارگزاریوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں یہ اس کام کے لئے موزوں معلوم ہوئے۔ پھر تبلیغ کے دونوں پہلوؤں پر کاربند رہے۔ یعنی کفار کو اسلام سمجھانا اور مسلمانوں کو قرآن اور شریعت کی تعلیم دینا۔اس سے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اسلام کے بارے میں کما حقہ واقفیت ومہارت ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے مدینہ میں اسلام پھیلا کر ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فضا سازگار بنانے کا شرف حاصل کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو تربیت یافتہ صحابہؓ میں سے ایک ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔فرائض واحکام نازل ہوتے رہے اور اسلام کا قانون مکمل ہوگیا۔اس دور میں قرآن وحدیث میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے تذکرے ملتے ہیں۔ جس سے ان کی کارگزاریوں پر مزید روشنی پڑتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے بلالؓ اور ابن ام مکتومؓ نابینا۔

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

ابن ام مکتومؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان کہتے تھے اور وہ نابینا تھے۔

(صحیح مسلم باب استحباب اتخاذ المؤذنین للمسجد الواحد)

رمضان کے زمانے میں ابن ام مکتومؓ کی اذان سحر کے وقت کے ختم ہونے کا اعلان تھی۔حدیث میں آتا ہے:

ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بلالؓ کچھ رات رہے اذان دیتے ہیں اس لئے تم کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ کی اذان سن لو۔

(صحیح مسلم باب ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر)

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

بلالؓ اپنے وقت اذان کہہ کر اپنے اوراد واذکار میں مصروف ہوجاتے تھے۔طلوع صبح صادق پر لوگ ابن ام مکتومؓ کو کہتے اور وہ اذان دیتے یہی اذان سحر کے وقت کے ختم ہونے کا اعلان تھی۔

بہر حال مدنی زندگی میں ابن ام مکتومؓ کی کارگزاریوں کا آغاز اسی دینی خدمت سے ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی آپ کی مصروف ترین زندگی ہے۔تربیت صحابہؓ،تعلیم دین،معاملات کے فیصلے، نفاذِ احکام اسلامی اور تنظیم مسلمین، مقابلہ کفار وغیرہ ایسے کئی مواقع آئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے باہر تشریف لے جانا پڑا اور مدینہ میں کسی کو اپنا نائب مقرر فرمانا پڑا۔ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ:

ابن عبداللہ نے علماء نسب اور سیرت کی ایک جماعت کے حوالے سے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو ۱۳ مرتبہ شرف نیابت بخشا، حجۃ الوداع اور بدر کے موقع پر بھی۔ بدر کے وقت ابولبابہؓ بھی آپ کے ساتھ شریک تھے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہؓ)

اسی طرح سیرت حلبی میں لکھا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ غزوات کئے اور کوئی غزوہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ کو اپنا نائب بنا کر مدینہ میں نہ چھوڑا ہو وہ لوگوں کو نماز باجماعت پڑھاتے تھے۔ (سرۃ حلبی ص ۴۰۳)

حدیث میں آتا ہے:۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو جو نابینا تھے، مدینہ میں اپنا جانشین بنایا اور وہ لوگوں کی نماز میں امامت کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

اسی طرح اور کتب الرجال میں بھی اسی قسم کی روایات موجود ہیں۔ ان روایات سے ظاہر ہے کہ غزوات اور حج کے زمانے میں مدینے کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھی۔ جہاد چونکہ فریضہ تھا اس لئے فوجی خدمات کے قابل افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے۔ اب مدینہ میں ایسے لوگ باقی رہ جاتے جو کسی عذر کی بنا پر شریک جہاد نہ ہو سکتے تھے۔ ان لوگوں کے لئے ضرورت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی نہ کوئی نائب موجود ہوتا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے موقعوں پر ابولبابہ ابوذر غفاریؓ وغیرہ دوسرے اصحابؓ کو بھی مقرر فرمایا۔ لیکن سیرت حلبی کی روایت صاف بتاتی ہے کہ ہر موقع پر فریضۂ امامت ابن ام مکتومؓ ہی ادا کرتے رہے۔

نماز جمعہ کی امامت اور خطابت کے سلسلے میں روایت ہے:

واقدی نے روایت کی ہے کہ ان سے عبید اللہ بن نوح اور ان سے محمد بن سہیل بن ابی حثمہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتومؓ کو مدینہ پر اپنا نائب بنایا۔ وہ جمعہ پڑھاتے اور منبر کے بازو کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ اس طرح کہ منبر اُن کی بائیں جانب ہوتا۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی ج ۷، ص ۲۶۰)

الغرض روایات سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں مدینہ میں بحیثیت نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پوری ذمہ داریاں ادا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں دشمنوں سے مسلمانوں کے گھروں اور اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری، معاملات کے تصفیہ وغیرہ بھی غالباً اسی ذمہ داری میں شامل تھے۔ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے باوجود تنظیمی صلاحیتوں کے مالک تھے جس کی کسی عہدہ دار کے لئے سخت ضرورت ہے۔ یہ نتیجہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ معذور افراد کس طرح ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سوال پر فرضیت جہاد سے مستثنیٰ کیے گئے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں ابن قتیبہ فرماتے ہیں:

اس کی ایک دوسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم تھوڑا تھوڑا ایک آیت کے بعد دوسری آیت، یہاں تک کہ دو آیتیں، حروف، بھی نازل ہوتا تھا۔ چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لکھ رہا تھا لایستوی القاعدون کہ جہاد میں شریک نہ ہونے والے، اپنی جان ومال سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے اتنے میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاد سے محبت کرتا ہوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ میں نابینا ہوں۔ زیدؓ نے کہا کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں جو میرے پاؤں پر تھا۔ نا قابل برداشت حد تک بوجھل ہو گیا۔ (نزول وحی کی کیفیت تھی، جب وحی نازل ہوگئی تو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: لکھو لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ جہاد میں شریک نہ ہونے والے سوائے اس کے کہ معذور ہوں، مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے۔

(تاویل مشکل القرآن ابن قتیبہ ص ۱۸۴)

بہر حال غیر اولی الضرر میں نابینا، لنگڑے اور مریض شامل ہیں

(دیکھو ترمذی) حدیث میں آیا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر مدینے میں داخل ہوتے وقت فرمایا: مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نہ تم پھرے اور نہ تم نے کسی وادی کو قطع کیا مگر وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ مدینہ میں ہیں؟ فرمایا: ہاں، وہ مدینہ میں ہیں، ان کو اُن کے عذر نے روکا ہے۔ (التفسیر الواضح ص ۴۸)

معذور افراد جذبۂ جہاد رکھتے ہوئے بھی اپنے عذر کی بناء پر شریک نہ ہو سکے، لیکن اُن کے خلوص نیت کی بنا پر انہیں مجاہدین کے برابر اجر ہے، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مطمئن نہیں ہوئے۔ کیونکہ وہ رخصت اور عزیمت کے فرق کو جانتے تھے۔ بہر حال شوق جہاد اُن میں بڑھتا گیا اور بالآخر وہ شریک جہاد بھی ہوئے۔ چنانچہ روایت ہے:۔

ثابت البانی نے ابو لیلےٰ سے روایت کی ہے۔ کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آیت لایستوی القاعدون کے نزول پر کہا: اے میرے رب! میرے عذر نابینائی کے بارے میں بھی نازل فرما پس آیت غیر اولی الضرر نازل ہوئی۔ اس کے بعد وہ بھی شریک جہاد ہوتے اور کہتے کہ مجھے جھنڈا دے کر دونوں صفوں کے درمیان کھڑا کر دو میں نابینا ہوں، بھاگ نہیں سکتا۔

(سید اعلام النبلا، ج ۷، ص ۲۶)

کتنا لطیف طنز ہے کہ آنکھ والا اپنے لشکر کو پسپا ہوتا دیکھ کر بھاگ سکتا ہے، لیکن نابینا چونکہ دیکھتا نہیں، اس لئے میدان میں جما رہتا ہے اور اپنے جھنڈے کو سرنگوں نہیں ہونے دیتا۔

الغرض اسی جذبۂ جہاد نے انہیں جنگ قادسیہ میں اسلامی لشکر کے علم بردار کی حیثیت سے شریک کیا۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے جنگ قادسیہ میں ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جسم پر زرہ ہے اور ہاتھوں میں علم تھامے ہوئے ہیں اور اسی میں شہید ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

1202 واں یوم مدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

YOME-MADAR

شہنشاہِ ولایت، فرد الافراد، قطب الارشاد سید بدیع الدین

قطب المدار الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

1202 ویں یوم ولادت کے پُر بہار و پُر مسرت موقع پر ادارہ "رہبرِ نور" تمام عالم اسلام کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

ادارہ رہبر نور، مکن پور شریف

فاتح مناظرہ اجمیر
الحاج سید محمد مرغوب عالم جعفری

ازقلم :ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری۔

اللہ تعالیٰ کی ذات علم اور حکمت والی ذات ہے۔اللہ وحدہ لا شریک نے مخلوقات میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔یہ فضیلت نوازی بھی۔اللہ رب العزت کی جانب سے خصوصی کرم نوازی ہے۔اللہ پاک جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے۔جگہوں،مکانات ومقامات کی جب تخلیق فرمائی توان میں سے بھی بعض کو بعض پر فوقیت بخشی۔اسی طرح اوقات وآوان اور احیان وزمان کی تخلیق بھی ایک دوسرے سے مخصوص وممتاز قرار پائے۔اور کچھ خاص اوقات پر کچھ اخص الخواص کو شرف و برتری سے نوازا۔اسی طرح جب لوگوں کو پیدا کیا تو ان میں بھی بعض کو بعض دیگر پر فضلت عنایت فرمائی۔یہ کرم نوازیاں اللہ جل جلالہ کی عظمت واختیار کی مکمل نشانیاں ہیں۔اور یہ عنایتیں اس کی کامل بادشہات و قدرت کی علامتیں ہیں۔جس کے عرفان سے تمام اہل شعور عاجز ہیں۔مخلوقات کی درجہ بندی اللہ تعالیٰ کی کامل مشیت، مکمل قدرت عظمت کاملہ،ربوبیت عظمیٰ اور اللہ تعالیٰ کی کُـلّـی بادشاہی میں شامل ہے۔قران حکیم میں فرمان رب العزت ہے۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللّٰهُ يَجْتَبِيْ إِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَ يَهْدِيْ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيبُ

ترجمہ: آپ مشرکوں کو جو دعوت حق دیتے ہیں وہ ان پر گراں گزرتی ہے۔اللہ جسے چاہتا ہے اپنے دین کیلئے چن لیتا ہے اور اپنی طرف اسی کو راہ دیتا ہے جو علم الٰہی میں اللہ کی نیابت کے لائق ہے۔

(سورۃ الشوریٰ:13)

ایسے ہی ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ

اور اے محبوب! تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے،اور جسے چاہتا ہے اپنے لیے چنیدہ بنالیتا ہے۔
ان مخلوقات کو اس میں کوئی اختیار نہیں ہے۔اللہ پاک ہے اور بلند و بالا ہے ان سے جنہیں وہ اس کی ذات میں شریک ٹھہراتے ہیں۔

(سورۃ القصص 68)

مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو عند اللہ چنیدہ بنانے کا اختیار مخلوق کو نہیں ہے۔اس کا مکمل اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔جس طرح مخلوق کو پیدا کرنے میں وہ یکتا ہے۔اسی طرح مخلوق کی درجہ بندی میں بھی وہ یکتا ہے۔
کسی کو خاص مقام دینے اور چنیدہ بنانے کے خاص اثرات

بھی ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کل سات آسمان خلق فرمائے ،اوران میں سے سب سے پہلے آسمان یعنی ساتویں آسمان کو خاص بنایا۔اسے اپنے مقرب فرشتوں کے لئے قرارگاہ بنایا،اسی کو اپنی کرسی اور عرش کا قرب نصیب کیا۔وہاں جسے چاہا سکونت پزیر کیا۔تو اس آسمان کو بقیہ چھ آسمانوں پر برتری وفوقیت حاصل ہے۔

چارفرشتے خاص ہیں*

اسی طرح تمام فرشتوں میں چند فرشتوں کو ہی منتخب فرمایا اور انہیں دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی۔حضرت اسرافیل علیہ السلام،حضرت عزرائیل علیہ السلام،حضرت میکائیل علیہ السلام حضرت اور جبرائیل علیہم السلام یہ چاروں اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب اور چنیدہ فرشتے ہیں۔ایام میں فضیلت۔

اسی طرح بعض ایام اور مہینوں کو دیگر ایام اور مہینوں پر فضیلت دینے کا معاملہ ہے کہ رمضان اور ربیع الاول کی اپنی الگ فضیلت ہے اور رجب وشعبان اور ذوالحجہ اور محرم کی اپنی خاص فضیلت ہے۔بعض مقامات بعض سے افضل ہیں

اور بعض مکانات ومقامات کو دیگر مکانات ومقامات پر فضیلت دینے کا مسلہ بھی اسی قبیل سے ہے۔شہر مکہ معظمہ ومدینہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی خاص فضیلت ہے تو بیت المقدس اور نجف وکربلاء کی یک گونا فضیلت الگ ہے۔قبر رسول علیہ السلام کی اپنی مخصوص فضیلت ہے تو خاص خانِ کعبہ کی الگ فضیلت ہے۔بعض ہستیاں بعض سے افضل ہیں

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں ں سے ہر جنس سے افضل وپاکیزہ ترین عناصر کو چنیدہ ومنتخب بناتا ہے

حضرات خلفاء راشدین واہل بیت وآل رسول امت کے ممتاز ترین پاکیزہ ترین اور افضل ترین لوگ ہیں تو صحابہ کرام امت کے مابعد کے لوگوں میں زیادہ بلندرتبہ ہیں

اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکیزہ فرما کر ممتاز وافضل بنایا ہے اس لئے اُن سے مقابلہ کر کے اُن سے کوئی سبقت نہیں مارسکتا۔اور اُن سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے میں کوئی سرخ رو نہیں ہوسکتا ہے۔

سید محمد مرغوب عالم مداری کا مقام مجاہد ملت حضرت سید محمد مرغوب عالم مداری کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی انتخاب کے ساتھ پیدا فرمایا۔

اس قسم کا گوہر زمانے کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے۔مکن پور شریف کے وہ مشائخ کرام وسادات عظام جو آپ کے دور کے قطب وقت کے القاب سے ملقب ہیں جن کے اعراس میں ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے۔میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ شیر بیشِ مداریت سید محمد مرغوب عالم مداری صاحب کو جب دیکھ لیتے تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل جاتی تھیں اور وہ سبھی حضرات شیر بیشِ مداریت صاحب کو بڑی ہی عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے،ڈاکٹر سید محمد مرغوب عالم صاحب مدظلہ العالی ان سبھی۔حضرات کے لئے چیدہ،پسندیدہ اور چنیدہ شخصیت ہوا کرتے تھے مسلک اہل سنت، مذہب اسلام اور سلسلۂ عالیہ مداریہ کے فروغ اور احقاق حق و ابطال باطل میں اس دور میں آپ کی خدمات تجدیدی تھیں۔

خصوصاً سلسلہ عالیہ مداریہ کے فروغ واشاعت میں آپ کی خدمات جلیلہ بہت ہی گراں قدر اور اھل سلسلہ کیلئے بہت و اہم ممتاز ہیں۔

مدارس کا قیام، مساجد کی تعمیر،معاندین سلسلہ عالیہ مداریہ کو دندان شکن جواب دینا،علماء وطلباء کو تصوف کے اصولوں پر زندگی گزارنے کی تعلیم،دعا گوئی ودعا خوانی کی ہدایات۔ ہر حال میں مقام صدق میں قائم رہنے کی تلقین،خوشی وناخوشی کی حالت میں قطب المدار کی نسبتوں پر اعتماد کلی رکھنا،اور صفات اولاد رسول پر قائم رہنا،مقام قطب المدار سے آشنائی،نسبت مداریت میں استحکام، سادات کرام و ائمہ اہل بیت کے

طریقوں پر زندگی گزارنا، ہرحال وہر آزمائش پر دامن وصبرو شکر تھامے رہنے کی تعلیم، خوف ورجا اور امید وبیم کی حالت میں زندگی کو ڈھالنے کا ہنر، ان سب خوبیوں کو جمع کر دیا جا؟ تو عطر مجموعہ کی طرح ڈاکٹر سید مرغوب عالم مداری کی ذات گرامی مشکبار وخوشبودار نظر آتی ہے مناظرۂ اجمیر میں رضوی گروہ کی شکست کا اعلان بزبان رضوی مناظر یہ سچ ہے کہ اجمیر معلیٰ میں رضوی مداری مناظرہ میں رضوی خیمہ میں ہندوستان کے بہت بڑے بڑے علماء فضلاء ومناظرین تھے

مولانا مفتی اختر رضا خان ابن مولانا ابراھیم رضا خان بریلوی و مولانا مناظرہ اعظم انتخاب عالم قدیری مرادآبادی جیسے نامور ہستیاں ایک طرف تھیں تو دوسری جانب امام عالی مقام حسین علیہ السلام کا پوتا بنام مرغوب عالم مداری وعلامہ سید ذوالفقار علی قمر مداری وعلامہ سید غلام السبطین میاں و72 سادات مکن پور شریف۔ پھر فتح ونصرت تو اولاد رسول کو ہی ملنی تھی۔ اور یہ فتح وکامرانی کاتب تقدیر نے روز ازل ہی لکھ دیا تھا۔ نتیجہ سلسلہ رضویہ کا جو مرحب سمجھا جاتا تھا شکست کھا کر فرار ہو گیا اور میدان مناظرہ اجمیر معلیٰ ہمیشہ کے لئے آل رسول جگر گوشہ مولا علی ڈاکٹر الحاج سید محمد مرغوب عالم مداری کے نام کر دیا گیا۔ ڈاکٹر سید مرغوب عالم مداری جنہیں سادات مکن پر شریف ومشائخ مداریہ کی مکمل حمایت تھی، تائید ایزدی بھی روز اول سے آپ ہی کے ساتھ تھی۔۔ اجمیر میں سلسلہ رضویہ کے مناظر اعظم علامہ انتخاب قدیری نے روداد مناظرہ اجمیر معلیٰ کو جس انداز میں بیان کیا ہے اور سلسلہ مداریہ کی عظمت و منقبت جس انداز سے تحریر کی ہے اس میں اہل علم وشعور کے لئے اس میں بڑی عبرت ونصیحت ہے۔ امیر اہل سنت علامہ انتخاب قدیری صاحب اپنی حدیث کی مشہور کتاب جامع مداری شریف کے مقدمہ میں لکھتے ہیں16 "جولائی1983ء میں بیت النور اجمیر میں ایک مناظرہ ہوا جس میں ایک طرف تو حضرات سلسلہ عالیہ مداریہ تھے، اور مداری مناظر شیر بیشہ مداریت حضرات علامہ الحاج ڈاکٹر سید مرغوب عالم جعفری مداری مکن پوری تھے، جو بریلی میں اقامت پزیر ہیں، دو نشستوں میں سلسلہ عالیہ مداریہ کے سوخت ہونے پر مناظرہ ہوا، مداری مناظر نے سلسلہ عالیہ مداریہ کے جاری وساری ہونے پر دلائل کے انبار لگا دئے، اور اپنے مخالف مناظر کے طوطے اڑا دئے۔ تیسری نشست میں بریلی کا حمایتی مناظر بن کر حضرات مداریہ کے مقابلے میں فقیر قدیری سامنے آیا. مگر مری ہوئی چوہیوں کا کہاں تک گوبر سونگھتا اور غبارے میں پھونک کہاں تک رہتی۔ وقت ختم ہو جانے پر یہ مناظرہ اختتام کو پہونچا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بصارت و بصیرت سے نوازا تھا حقیقت مجھ پر منکشف ہو چکی تھی۔ حضرات مداریہ کے خلاف یکطرفہ ذہن تیار ہوا تھا۔ جب اُن حضرات کی سنی تو معلومات میں خوبصورت اضافہ ہوا۔ اور حضرات مداریہ کے حق ہونے کا یقین ہو چلا۔ پھر حضرات مداریہ کی ایک کتاب منظر عام پر آئی جسکا نام تھا صاعقہ درخرمن رضویہ۔ اس کتاب نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا۔ اور حضرات مداریہ کے خلاف میں نے جو کچھ لکھا تھا یا کہا تھا اس سے باقاعدہ توبہ کی۔ اور لوازمات توبہ ادا کئے۔ اور یہ توبہ نامہ ندائے اہل سنت ویکلی جس کا فقیر قدیری مالک و مدیر ہے اس میں چھاپا۔ اور حضور مدار پاک کے دربار میں استغاثہ اور معذرت پیش کی۔ سیدنا حضور مدار العالمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دامن کرم میں خصوصی جگہ عطا فرمائی۔ اور اتنا نوازا، اتنا نوازا جس کا بیان بھی میری طاقت سے باہر ہے۔

(مداری شریف مع بصیرۃ العرفان و سمنانی سمان ص 37،36) دیکھا آپ نے ڈاکٹر سید مرغوب عالم مداری صاحب نے اپنے زور استدلال سے نہ صرف انتخاب قدیری

جیسے علامۃ الدھر اور مناظر اعظم کو شکست دے کر اپنا گرویدہ بنالیا بلکہ اُن کے اندر فکری انقلاب برپا کر کے اذہان ویقین کو مداریت کے رنگ میں رنگ دیا۔ حق کا رنگ جب کسی پر چڑھ جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اور علم کی کوئی قوت اسے پھیکا نہیں کر سکتی ہے۔۔ یہ تو بریلوی طبقے کے اس وقت کے مناظر اعظم کے قبول حق اور رجوع الی المداریت کا تفصیلی بیان خود صاحب معاملہ سے آپ نے سنا اور پڑھا۔ آخر میں یہ بھی بتا دوں کہ مناظرہ اجمیر کا جو ہر دو جانب سے متفقہ فیصل تھا وہ بھی امام حسین علیہ السلام کا ایک پوتا تھا، جسے دنیا غازی ملت حضرت علامہ سید محمد ہاشمی الجیلانی الاشرفی کے نام سے جانتی پہچانتی ہے۔ غازی ملت مدظلہ العالی والنورانی نے جماعت رضویہ کی طرف سے سربراہ مناظرہ علامہ اختر رضا خاں ازھری میاں کو جن القاب وخطاب سے نوازا اس سے قطع نظر علامہ سید محمد ہاشمی میاں صاحب نے اپنی کتاب سعی آخر مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ رضویہ کوچہ اشرفی محلہ کوٹ سنبھل میں مناظرہ اجمیر کا فیصلہ لکھا ہے جو مکمل طور سے مداریت کی کامیابی اور علامہ ڈاکٹر سید مرغوب عالم مداری مکن پوری کی فتح ونصرت سے عبارت ہے۔ سعی آخر کا صفحہ 270 سے 282 تک آپ لوگ پڑھ جائیں اور علامہ ہاشمی میاں کا ایک ویڈیو کلپ بھی اسی سے متعلق یوٹیوب پر سماعت کر لیجئے فاتح مناظرہ اجمیر ڈاکٹر سید محمد مرغوب عالم صاحب کی شخصیت سمجھ میں آ جائے گی۔ مداریت کی فتح اور رضویت کی شکست حضرت مولانا سید محمد مرغوب عالم صاحب مدظلہ العالی اور ان کے مکنپوری سادات کرام کے ذریعے جس انداز سے ہوئی ہے سلسلہ رضویہ کے لوگوں کیلئے مقام عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ سلسلہ مداریہ کے اس سورج کی کرنوں سے عالم کو فیضیاب فرمائے۔

ابر رحمت تیری مرقد پہ گہر باری کرے۔

کتبہ ابوالحماد محمد اسرافیل حیدری المداری

366 واں

عرس پاک

ولی کامل عارف باللہ

حضرت میراں سید علی شاہ

چتوڑگڑھ اکولوی رحمۃ اللہ علیہ

کے عرس مبارک کی مقدس تقریبات ۷ اشوال المکرم کی "ادارہ رہبر نور" عالم اسلام کو مبارک باد پیش کرتا ہے

366WAN URS MUQADDAS

HAZRAT MEERAN SAYED ALI SHAH AKOLA (RAJ.)

Mubarak Ho

Deewan Sayed Abdul Karim

Udaipur-Rajasthan

یک روزہ حضور امیر الاولیاء سیمینار

جو ابر یہاں سے اٹھا ہے وہ سارے جہاں پہ برسا ہے
جو ابر یہاں سے اٹھے گا وہ سارے جہاں پہ برسے گا

جملہ اہلسنت و جماعت بالخصوص وابستگان سلسلۂ عالیہ مداریہ کو یہ عظیم خوشخبری سنائی جارہی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سال یعنی سن 2023 میں سرزمین دار النور مکنپور شریف کی عظیم عبقری ذات داعی اسلام فی الہند مبلغ اعظم سلسلۂ عالیہ مداریہ منظر ابو الوقار امیر الاولیاء قدوۃ السالکین عمدۃ الکاملین حضور شیخ طریقت امام التصوف ابو الاظہر سرکار سید منظر علی میاں جعفری حسنی حسینی مداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سالانہ عرس سراپا قدس یعنی 25 / صفر المظفر 1444ھ مطابق 12 / ستمبر 2023 کے حسین موقعہ پر آپ کی ذات قدسی صفات سے منسوب چالیس سے زائد عناوین پر مشتمل ایک عظیم الشان فقید المثال حضور امیر الاولیاء سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے جس میں وطن عزیز ہندستان اور نیپال کی مقتدر خانقاہوں، جامعات اور یونیورسٹیز سے تعلق رکھنے والے ایک سو بیس سے زائد اصحاب قلم علماء و مشائخ، صاحبان فکر وفن اسکالرس، ماہر اسلامیات پروفیسرس لکچررس اور ادباء زمانہ حضور امیر الاولیاء علیہ الرحمہ کی حیات آپ کی ذات اور آپ کی دینی، ملی، مذہبی اور مشربی خدمات پر اپنے گران قدر دستاویزی مقالات کیساتھ شرکت فرمارہے ہیں۔

اس عظیم الشان سیمینار کی قیادت شہزادۂ قطب المدار مظہر و جانشین حضور امیر الاولیاء فخر المشائخ حضرت علامہ مولانا الحاج الشاہ سید اظہر علی میاں قبلہ جعفری وقاری منظری مداری زادہ اللہ شرفا و دامت فیوضہم فرمارہے ہیں

ہم تمام علماء و مشائخ اور وابستگان سلسلۂ عالیہ مداریہ بالخصوص حضور امیر الاولیاء کے جملہ محبین، متوسلین، مریدین اور خلفاء و وابستگان اہلسنت سے شرکت کی پرخلوص گزارش کرتے ہیں

زیر نگرانی

منظر ابو الوقار مداریہ سوسائٹی رجسٹرڈ

والسلام

المشتہر

خاک بوس در مرشد (مفتی) محمد حبیب الرحمٰن علوی منظری المداری

صدر افتاء جامعہ عزیزیہ اہلسنت ضیاء الاسلام جھہراؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر یوپی

9628407397

ایک ولولہ انگیز اور سبق آموز تحریر

چودھویں رات کی دوشیزہ

علامہ ارشد القادری

کہتے ہیں کہ عرب سوداگروں کا ایک قافلہ بادبانی جہاز پرسوار ہوکر اسپین کے ساحل سے روانہ ہوا۔ یہ لوگ قیمتی جواہرات کے بین الاقوامی تاجر تھے۔ جن کا کاروبار دنیا کی بڑی بڑی منڈیوں میں پھیلا ہوا تھا۔

تاجروں کے اس گروہ میں ایک نہایت خوبرو نوجوان تھا، جو اپنے سارے قبیلے کی آنکھ کا تارا تھا۔ اس کی پیشانی سے طہارت نفس اور کردار کے تقدس کا نور جھلکتا رہتا تھا۔ اس کا باوقار حسین چہرہ اتنا دلکش و دل رُبا تھا کہ ایک بار دیکھ لینے کے بعد ناممکن تھا کہ بار بار اُسے دیکھنے کی آرزو نہ پیدا ہو۔ جدھر سے وہ گذر جاتا نگاہوں کے چراغ جلنے لگتے۔ بات کرتا تو موتی لُٹاتا۔ مسکراتا تو پھول برستے کتنے ہی سینوں میں اس کی نگہ التفات کی آرزو مچل مچل کر دفن ہوگئی لیکن غیرتِ حیا کے بوجھ سے اس کی پلکیں ہمیشہ جھکی رہیں۔ ایک صالح پاکدامن اور اسلام کے غیور نوجوان کی جتنی خصوصیات ہوسکتی ہیں وہ تنہا سب کا آئینہ دار تھا۔ اس کی زندگی کا سب سے خوشگوار لمحہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں اس کی رُوح ایک نامعلوم کیف سے سرشار ہوجاتی تھی، گریہ ومناجات کی لذتوں نے اسے سحر خیز بنادیا تھا۔

بارگاہ رسالت سے اسے بے پناہ عقیدت تھی۔ گنبد خضرا کے تصور میں پہروں اس کی پلکیں بھیگی رہتی تھیں صلوٰۃ وسلام کی محفلوں میں اس کی سوز وگداز اور محویتِ شوق کا عالم بڑا ہی رقت انگیز تھا۔ مزارات اولیا اور محبوبانِ حق کے ساتھ اس کے دل کا گہرا اُنس کسی تلقین کا نتیجہ نہیں بلکہ خود اس کے ضمیر کا عقیدہ تھا۔

جہاز سمندر کی قیامت خیز لہروں سے ٹکراتا موجوں سے کھیلتا آگے بڑھتا جارہا تھا۔ آفتاب کی ٹکیہ پانی کی سطح پر چمک رہی تھی۔ چند ہی لمحے بعد سورج غروب ہوگیا۔ فضا میں شام کی سیاہی بکھرنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے سمندر کی بے پایاں وسعتوں پر رات کا گھنا اندھیرا چھا گیا۔

آدھی رات گذرنے کے بعد اچانک فضا میں ایک چیخ بلند ہوئی سارے اہل کشتی گھبرا کر جاگ اُٹھے۔ دیکھا تو دہشت سے ناخداؤں کا برا حال ہورہا تھا۔ بڑی مشکل سے کانپتے ہوئے اشارہ کیا۔

وہ دیکھو! سمندر کا ایک نہایت مہیب اور خوفناک درندہ!!

دیکھتے ہی دیکھتے سارے جہاز میں کہرام برپا ہوگیا۔

کچھ ہی فاصلے پر آبی صحرا کا ایک خونخوار جانور، جس کے جسم کی ضخامت جہاز سے کئی گنا بڑی تھی۔ جبڑا پھیلائے انگاروں کی طرح سُرخ آنکھوں سے تاک رہا تھا۔ ناخداؤں نے لرزتی ہوئی آواز میں بتایا کہ بحرِظلمات کی سرحدوں پر اس طرح کے عجیب الخلقت اور مہیب جانور رہا کرتے ہیں۔ جن کی قوت جذب اتنی حیرت انگیز ہتی ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو اک سانس میں کھینچ لیا کرتے ہیں۔ ان کی زد پر پہنچ کر آج تک کوئی نہیں بچ سکا ہے۔ ہمارا جہاز غلطی سے بھٹک کر ادھر آ گیا ہے۔ اب چند ہی لمحے کے بعد ہم موت کے منہ میں پہنچ جائیں گے۔ اپنی اپنی زندگی کو آخری سلام کر لو۔

یہ خبر معلوم کر کے بے تحاشہ نالۂ وفغاں کے شور سے سمندر کی فضا گونج اُٹھی۔ جیسے جیسے جہاز اس کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چنگاری تیز ہوتی جاتی تھی۔ شدت خوف سے لوگوں کے حواس باختہ ہوتے جا رہے تھے۔ دماغ کے شعور کی توانائی موت کی ہیبت سے ماؤف ہوتی جا رہی تھی ۔ یہاں تک کہ چند ہی لمحے کے بعد اس خوبرو نوجوان کے علاوہ سارے اہل کشتی بے ہوش ہو چکے تھے۔

اب اکیلا نوجوان ایک خوفناک صورت حال کا مقابلہ کر رہا تھا اب جہاز اس کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ دہشت سے نوجوان کا کلیجہ بیٹھنے لگا۔ اس کے پھیلے ہوئے منہ کا لقمہ بننے میں اب صرف چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

نوجوان نے اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالا ۔ ہمتوں کا بکھرا ہوا شیرازہ یکجا کیا اور شدتِ اضطراب کے ہیجان میں یک بیک کھڑا ہو گیا اور آنکھ بند کر کے بھرپور طاقت سے اذان دینا شروع کر دیا۔ دورے ہی لمحے سمندر کی تاریک فضا تکبیر ورسالت کی آواز سے بوجھل ہوگئی۔ اچانک اپنی بند آنکھوں کے ساتھ نوجوان نے کسی سخت چیز سے جہاز کے ٹکرا جانے کا جھٹکا محسوس کیا۔ پھیلے ہوئے جبڑے کی زد پر پہنچنے کے بعد جیسے ہی اسے ایک بدبودار جسم کی گرمی محسوس ہوئی۔ بیساختہ اس کے منہ سے یا محمد کا نعرہ بلند ہوا۔

خوف سے آنکھیں بند کیے نوجوان کو یقین ہو چکا تھا کہ اب وہ اس خونخوار درندے کی مکمل گرفت میں ہے۔ اپنی دانست میں زندگی کی آخری ہچکی لیتے ہوئے اس نے ایک بار کلمۂ شہادت پڑھا اور سکتے کی حالت میں بیٹھ گیا۔

نوجوان کی آنکھیں بند تھیں اور دل کا حال سکرات کی کیفیت سے ہم آہنگ تھا۔ اسی درمیان میں اچانک اُسے محسوس ہوا کہ جہاز تیزی سے پیچھے کی طرف بھاگتا جا رہا ہے۔ درندے کے منہ سے نکلنے والی اب وہ بدبو بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ نوجوان نے ہمت سے کام لے کر آہستہ آہستہ اپنی پلکوں کو اوپر اُٹھایا آنکھیں کھلیں تو دیکھا کہ جانور سامنے موجود نہیں ہے۔ سمندر کی فضا بھی بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اب بپھری ہوئی موجوں پر تاریکیوں کے غلاف کے بجائے چاندنی کی سنہری کرن پھیلی ہوئی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر نوجوان کو خدا اور رسول کی غیبی چارہ گری کا عجیب وغریب مشاہدہ ہوا۔ دہان مرگ سے صحیح وسلامت نکل آنے پر اُسے بے پایاں مسرت حاصل ہوئی۔ نئی زندگی کے اعتراف میں سجدۂ شکر کے لئے بے ساختہ اس کی پیشانی جھک گئی۔ سجدۂ شکر سے فارغ ہو کر بارگاہ رسالت میں اس نے صلوۃ وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

اب اسے اپنے بے ہوش ساتھیوں کو ہوش میں لانے کی فکر ہوتی۔ سب سے پہلے ناخداؤں کے منہ پر پانی چھڑکا آنکھیں کھل گئیں۔ چیخ مار کر اٹھے اور پھر سو گئے۔ بڑی مشکل سے اُنہیں ہوش آیا۔ ہوش میں آتے ہی نوجوان نے اُنہیں بتایا کہ خدا کی غیبی مدد سے وہ خوفناک بلا دفع ہوگئی۔ اب نجات واطمینان کا سانس لو۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے سارے اہل

کشتی ہوش میں لائے گئے اور صورت حال معلوم کر کے وہ خوشی میں پاگل ہو گئے۔ ناخداؤں نے آسمان کے تاروں کو دیکھ کر حیرت کے ساتھ بتایا کہ ہمارا جہاز بھٹک کر بحرظلمات کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ لیکن اس وقت ہم لوگ بحرظلمات سے تین دن کی مسافت پر ہیں۔ یہ خبر سن کر سارا قافلہ ششدر رہ گیا۔

نوجوان فرط خوشی میں چیخ پڑا۔ خدا ورسول کی شانِ دست گیری کے قربان خطرے کی زد سے نکالنے کے لیے تین دن کی مسافت چند لمحے میں طے کرا دی گئی۔ اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں میں نوجوان کی عقیدت کا رنگ اور گہرا ہو گیا۔ بال بال سے اس کی ہمت و بزرگی کو دعائیں نکل رہی تھیں۔ جہاز پھر اپنی رہ گذر پر چلنے لگا۔ رات بھر چلتا رہا۔ پہاڑوں کی طرح موجوں کا سینہ چیرتے چیرتے ناخداؤں کے بازو شل ہو گئے تھے۔ صبح ہوئی تو ہوا کا رُخ بدلا اور فضا سازگار ہوئی۔

قرطبہ کے ساحل سے چلتے ہوئے آج ۲۴واں دن تھا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ اچانک ناخداؤں نے جہاز والوں کو خبر دی کہ سمندر کی خاموش سطح پر ایک نہایت خوفناک طوفان کے آثار نظر آرہے ہیں ہمارا اندازہ اگر صحیح ہے تو پھر ایک اور سنگین خطرے کے لیے ہمیں تیار ہو جانا چاہئے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ آنے والے طوفان بلاخیز میں ہمارا انجام کیا ہوگا۔

اس خبر سے پھر جہاز والوں میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ پھر شور ماتم سے ایک قیامت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس مرتبہ نامعلوم طور پر نوجوان کا چہرہ بھی تشویشناک ہو گیا تھا۔ غالباً اس کی روشن ضمیری نے خطرے کو محسوس کر لیا تھا۔ اس کی گہری خاموشی جہاز والوں کے لیے خطرے کی سنگین علامت بنتی جارہی تھی۔ جیسے جیسے رات گذرتا جاتا تھا، مسافروں کا اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ پھر رات کی خوفناک سیاسی فضا پر مسلط ہونے لگی۔ جونہی سورج کی آخری کرن پانی کی سطح سے غائب ہوئی سمندر میں ہولناک تلاطم کا ایک جھٹکا محسوس ہوا۔ پہاڑوں کی طرح اُٹھتی ہوئی موجوں نے جہاز کو اپنی زد میں اُٹھا لیا۔ طوفان کے تھپیڑے سے اُچھل کر سمندر کا پانی جہاز کی فصیلوں میں داخل ہونے لگا۔ ماتم وفغاں کا شور ہواؤں کی گڑگڑاہٹ میں دبتا جارہا تھا۔ بادبان کی دھجیاں بکھر گئیں۔ ترشول کا نشان سرنگوں ہو گیا۔ تلاطم کی سرکشی اب قیامت بن گئی۔ طوفان کے تھپیڑوں سے جہاز کے تختوں کے جوڑ ڈھیلے پڑ گئے۔ اچانک ایک موج بلاخیز سے جہاز ٹکرایا اور اس کے تختے پاش پاش ہو گئے۔ چند لمحے کے لیے ڈوبتی ہوئی آوازوں کا ایک شور اٹھا اور لہروں کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے دفن ہو گیا۔

نوجوان نے ڈوبتے ہوئے یا محمداہ کا نعرہ لگایا تھا یہ نعرہ رائیگاں نہیں گیا۔ پہلا غوطہ کھاتے ہی لہروں نے اسے ایک بہتے ہوئے تختے کی طرف پھینک دیا۔ تختے سے ہاتھ ٹکرایا اور اس نے مضبوطی سے اُسے تھام لیا۔

اب وہ اسی تختے کے سہارے سمندر کی لہروں پر بہتا ہوا چلا جارہا تھا۔ رات بھر یونہی ناپید کنار سمندر میں بہتا رہا اُسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہ کس رُخ پر بہہ رہا ہے موجوں کا تھپیڑا کھاتے کھاتے اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے تھے۔ سارا جسم ٹوٹ کر چور چور ہو گیا۔

رات کے پچھلے پہر شدت کرب سے بے چین ہو گیا۔ عالم یاس میں ایک بار آسمان کی طرف دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ سورج کی پہلی کرن چمکتے ہی اسے پہاڑوں اور صحراؤں کے سلسلے نظر آئے سمندر کا کنارا دیکھ کر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اس نے اپنے اندر بالکل نئی زندگی کا فروغ محسوس کیا۔ ساحل

پر پہنچ کر بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو خشکی پر اُتارا۔ نمکین پانی میں پڑے پڑے پاؤں کی حس ماؤف ہوگئی تھی۔ چلنے کی سکت باقی نہیں تھی بازو بھی حرکت کے قابل نہیں رہ گئے تھے۔ کافی دیر تک سورج کی دھوپ میں سینکنے کے بعد جسم میں تھوڑی سی حرارت پیدا ہوئی اور رگوں کا خون گرم ہوا۔

دوپہر تک وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا۔ اب اسے بھوک ستا رہی تھی اور ضعف کا احساس دم بدم بڑھتا جارہا تھا۔ خدا کا نام لیکر رزق کی تلاش میں اُٹھا اور گھنے صحرا میں سوائے پھلوں کے اور کیا مل سکتا تھا۔ کافی دور تک چلنے کے بعد جنگلی درختوں کا سلسلہ شروع ہوا دوپہر ڈھل رہی تھی۔ لیکن اسے بھرے جنگل میں کوئی چیز کھانے کے قابل نہیں مل سکی۔ جب چلنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی تو تھک ہار کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ وہ آبدیدہ ہوکر اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر قریب کے ایک درخت پر پڑی جس میں سب کے برابر سُرخ رنگ کے پھل لگے ہوئے تھے۔ اس یقین پر کہ وہ جنگلی سیب میں درخت کے پاس پہنچ گیا۔ شاخیں زمین تک لٹک رہی تھیں اس لیے پھلوں کے توڑنے میں اُسے کوئی زحمت نہیں پیش آئی۔ رنگ و روپ کو سیب کی طرح تھا ہی چکھ کر دیکھا تو لذت بھی نہایت شیریں تھی۔ بھوک کے غلبے میں سیب سمجھ کر کئی پھل کھا گیا۔

دوپہر ڈھل چکی تھی اور کچھ ہی عرصے کے بعد شام ہونے والی تھی اپنے تئیں سوچا کہ جسم میں تھوڑی سی توانائی آجائے تو جلدی جلدی جنگل سے باہر نکل کر رات گذارنے کی کوئی محفوظ جگہ تلاش کی جائے۔

اسی خیال میں کھویا ہوا تھا کہ اندر سے سر چکراتا ہوا محسوس ہوا شعور کا چراغ بجھنے لگا۔ رگوں کی حرارت سرد پڑنے لگی اور ایک گہرے خمار کی کیفیت میں وہ بے ہوش کر زمین پر گر پڑا۔

سورج ڈوب گیا۔ رات آئی اور گذر گئی۔ لیکن وہ ہوش میں نہیں آیا۔ اس کی نبض کی رفتار نہایت تیزی کے ساتھ نقطۂ انجماد کی طرف اُترتی آرہی تھی۔ اب وہ صرف چند گھنٹے کا مہمان تھا۔

دھوپ تیز ہوگئی تھی اور ہر طرف صحرا میں سورج کا شفاف اُجالا پھیل رہا تھا۔

جڑی بوٹی اور نباتات کے ماہرین کا ایک دستہ تحقیقاتی مہم پر صحرا کا گشت کررہا تھا۔ گھنی اور پُرپیچ جھاڑیوں میں بھٹکتے ہوئے وہ ٹھیک اسی مقام پر آنکلا جہاں جنگلی سیب کا وہ درخت تھا درخت کے نیچے ایک انسان کی لاش دیکھ کر حیرت سے چیخ پڑا۔

دستے کا رئیس ایک نہایت تجربہ کار، ذہین اور سن رسیدہ حکیم تھا۔ لاش کے قریب پہنچ کر اس نے تھوڑی دیر تک چہرے کا نہایت گہری نظر سے جائزہ لیا۔ نبض پر ہاتھ رکھا۔ آنکھوں کی پلکیں اُٹھائیں، ناخنوں کا رنگ دیکھا اور اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ اس کے جسم میں زندگی کی آخری رمق ابھی باقی ہے۔ ایک لمحے کی تاخیر بھی اسے موت کی ابدی نیند سلادے گی۔

سر جھکائے ہوئے وہ علاج کی راہ سوچ رہا تھا کہ اچانک اُسے زمین پر سیب کے چھلکے اور اس کے سوکھے ہوئے ٹکڑے نظر آئے۔ پھر درخت کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو شاخوں میں اسی طرح کے پھل لٹک رہے تھے۔ فوراً سمجھ گیا کہ اس زہریلے پھل کا یہ سارا کرشمہ ہے۔ فوراً اپنی زنبیل سے زہر سوخت کرلینے والی ایک جڑی نکالی اور اسے ناک کے قریب رکھ دیا۔ چند ہی لمحے کے بعد نوجوان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

حواس اب بھی اپنی جگہ پر واپس نہیں ہوئے تھے اور قوت بدستور ماؤف تھی۔ حکیم نے پھر اپنی زنبیل سے سبز رنگ کی دو چار پتیاں نکالیں اور اُنہیں انگلیوں میں مسل کر ایک قطرہ حلق میں ٹپکایا۔ قطرے کا حلق سے اُترنا تھا کہ نوجوان کو

بڑے زور کی چھینک آئی اور اس کے بعد متلی کی سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد دو چار تے ہوئی اور سارا زہریلا پھل پیٹ سے باہر آ گیا۔ اب اس کی طبیعت ہلکی ہوگئی تھی ہوش وحواس بھی پلٹ آئے تھے۔ اس گھنے جنگل میں اپنے ارد گرد انسانوں کو دیکھ کر اُسے بڑی حیرت ہوئی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حکیم نے اشارے سے روک دیا اور کچھ وقفے کے بعد زنبیل سے ایک خاص قسم کے شربت کی بوتل نکالی اور گلاس میں ڈال کر نوجوان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اسے پی جاؤ۔ شربت پی جانے کے بعد اس کے جسم میں بجلی کی طرح ایک تازگی دوڑ گئی۔ ضعف ونقاہت کا اثر بھی زائل ہوگیا اور وہ تازہ دم ہو کر اُٹھ بیٹھا۔

اب حکیم نے اس سے اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے شروع سے آخر تک سارا ماجرا بیان کر دیا۔ حکیم اور اس کے ساتھیوں کو اس کی سرگذشت معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی۔ سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہوا کہ شیروں، زہریلے سانپوں اور خونخوار درندوں کے اس جنگل میں رات بھر وہ بے ہوش پڑا رہا اور اسے کسی طرح کا گزند تک نہ پہنچا۔ حکیم اپنی ذہانت اور تفتیش وعلاج کی کامیابی پر بے حد مسرور تھا۔ اس جنگلی پھل کے بارے میں بھی اسے ایک نیا تجربہ حاصل کر کے نہایت درجہ خوشی حاصل ہوئی تھی۔ حکیم کے ساتھیوں نے فوراً ایک خاص قسم کے پتے پر نوک قلم سے اس درخت اور اس کے پھل کی تصویر بنائی اور اس کے نیچے لکھ دیا، یہ نشہ آور اور زہریلا پھل ہے۔

حکیم نے نوجوان کو بتلایا کہ سمندر کی آغوش میں یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ یہاں سے تین پہر کی مسافت پر سمندر کے کنارے ہمارا شہر آباد ہے۔ میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ کچھ دنوں کے لئے میری مہمانی قبول کرو۔ اسپین کی رف سے سوداگروں کے جہاز آتے رہتے ہیں۔ ایک دو مہینے کے بعد واپس چلے جانا۔ نوجوان نے حکیم کی درخواست قبول کر لی اور اس کے ہمراہ چلنے پر راضی ہوگیا۔

آج ایک عرصہ کے بعد انسانوں کی آبادی کے قریب پہنچ کر نوجوان سے حد مسرور تھا۔ نامعلوم خوشی سے چہرہ پھول کی طرح کھلا جا رہا تھا۔ درختوں کے جھرمٹ میں ایک خوبصورت عمارت کی طرف دور سے اشارہ کرتے ہوئے حکیم نے بتایا کہ وہی میرا غریب خانہ ہے۔ باغ میں داخل ہوتے ہی حکیم نے اپنی اکلوتی بیٹی فارنیا کو آواز دی۔ دوسرے ہی لمحے ایک زہرہ جمال لالہ رخ سراپا قیامت دوشیزہ سامنے کھڑی تھی۔

حکیم نے کہا۔ بیٹی! آج میں اپنے ہمراہ ایک معزز مہمان لے کر آیا ہوں۔ اس کی زندگی کی سرگذشت نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ کئی بار موت کی بھرپور گرفت سے اس نے نجات حاصل کی ہے۔ اپنی قوت ارادی کا بے مثل انسان ہے یہ! نوجوان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ہم لوگ قوت ارادی کو ایمان سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکیم کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی اس لیے اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ ناتمام گفتگو کا سلسلہ پھر سے جوڑتے ہوئے کہا! میں تمہاری ذہانت وسلیقہ مندی سے اُمید رکھتا ہوں کہ معزز مہمان کی خاطر ومدارات میں کسی طرح کی فروگذاشت نہ ہونے پائے گی۔

فارنیا نے پہلی مرتبہ مردانہ حسن کا ایک سحر حلال دیکھا تھا۔ نوجوان پر نظر پڑتے ہی مبہوت ہو کے رہ گئی تھی۔ اس نے سر جھکا کر اثبات میں جواب دیا اور چلی گئی۔

آفتاب کی آخری کرنیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے رخصت ہو رہی تھیں نوجوان نے حکیم سے کہا۔ ''سورج ڈوبنے

کے بعد ہماری عبادت کا وقت شروع ہو جائے گا۔ زحمت نہ ہو تو آپ ہمیں کسی چشمے کا پتہ بتا دیجئے تا کہ ہم آزادی کے ساتھ اپنے طریقہ پر ہاتھ منہ دھو کر اپنے مالک کا فریضۂ بندگی ادا کرلیں۔ حکیم نے جواب دیا چشمہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی باغ میں نہایت صاف شفاف تالاب موجود ہے۔ وہیں پر سنگ مرمر کی چٹان بھی ایک طرف بچھی ہوئی ہے۔ نوجوان نے تالاب میں پہنچ کر وضو کیا۔ اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ نماز مغرب ادا کی۔ عشاء تک تسبیح وتلاوت میں مشغور رہا۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر مہمان خانے کی طرف واپس ہوا۔

فاریتا کے لیے نوجوان کی ہر چیز نئی اور جاذب نظر تھی۔ جب تک وہ نماز میں مصروف رہا وہ ایک گوشے میں چھپ کر نہایت حیرت سے اس کی نشست و برخاست کا تماشا دیکھتی رہی۔ رات کے کھانے سے فارغ ہوکر مہمان خانے میں اس کے آرام کا انتظام کردیا گیا۔ رات ڈھل جانے کے بعد نوجوان خموشی کے ساتھ اپنے بستر سے اُٹھا تالاب میں وضو کیا۔ اور نماز تہجد کی روح پرور عبادت میں مصروف ہوگیا۔ تسبیح ودرود اور گریہ ومناجات میں ساری رات کٹ گئی۔ نماز صبح سے فارغ ہوکر دن چڑھے تک تلاوت قرآن میں مشغول رہا۔ پھر ظہر کے بعد سے نماز وتلاوت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور عشاء کے بعد تک جاری رہا۔

نوجوان کے شب وروز کا یہی معلوم تھا۔ کئی دن ہوگئے ۔ اسے حکیم کے گھر مہمان ہوئے لیکن وفورِ حیا سے کبھی اس کی نگاہ اوپر نہیں اُٹھی۔ کبھی اس نے فارنیا سے مخاطب ہونے کا کوئی موقع نہیں آنے دیا۔

اب رفتہ رفتہ فارنیا کا دل بوجھل ہوتا جارہا تھا۔ آتشِ شوق میں سلگتے ہوئے وہ اکثر سوچا کرتی تھی۔

ظالم! آدمی ہے یا پتھر کی چٹان؟ ہزاروں دیوانے میرے جلوۂ حسن کی پرستش کے لیے تیار ہیں اور یہ ایک نظر دیکھنے کا بھی روادار نہیں ہوتا۔ کیا میرے طلسم جمال کا سحراب بے اثر ہوگیا؟ دلوں کے کشور میں میرے فتنۂ شباب کی غارت گری کیا بلا وجہ مشہور ہے؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔ میری عشوہ طرازیوں کی تلوار زنگ آلود نہیں ہوئی ہے میرے ترکش کا تیر آج بھی بے خطا ہے۔ میری چشم بر پارعنائیوں میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا ہے۔ یہی شخص انسانوں کی پرسوز فطرت سے محروم نظر آتا ہے۔

پھر سوچتی۔

"نہیں میرا خیال غلط ہے۔ یہ کوئی بہت اونچے کردار کا آدمی معلوم پڑتا ہے۔ کسی نوجوان لڑکی پر نگاہ اُٹھانا شریف انسانوں کا ہرگز شیوہ نہیں ہے۔ لیکن ہوس کے شیطان پر فتح پانے والے نوجوان آج کہاں ہیں؟ ہوسکتا ہے اس کا چہرہ مہرہ انسانوں جیسا ہو لیکن فطرت یقیناً فرشتوں کے تقدس میں ڈھلی ہوئی ہے۔

چند ہی دنوں کی مدت میں نوجوان کی پارسائی، شرافت ونیک نامی اور زہد وعبادت کا چرچا سارے شہر میں پھیل گیا تھا۔ اس کے عارض تاباں، شباب رعنا اور درخشاں پیشانی کا سحر بڑے بڑے عشوہ طرازوں کا غرور توڑ چکا تھا۔ اب حسن کی دنیا اس کی ایک نگہہ التفات کے لیے سیماب کی طرح تڑپنے لگی۔ لیکن مود اس کے دل کی لذتوں کا کیف ساری دنیا سے نرالا تھا۔ اسے اسلام عزیز تھا۔ اسلام کی برتری اور نیک نامی عزیز تھی اور بس۔ اس کے قیام کو ایک ماہ سے زائد ہو چکا تھا لیکن جب بھی حکیم کے سامنے وہ اسپین جانے کی بات چھیڑتا تو ایسا لگتا کہ حکیم کے دل پر کوئی بجلی گر پڑی ہے۔ یکایک اس کا مسکراتا چہرہ ماند پڑ جاتا۔ حکیم اسے اپنے گھر کی رونق وبرکت سمجھتا تھا۔ نوجوان بھی نہیں چاہتا تھا کہ

اپنے محسن کا دل توڑ کر وہ چلا جائے۔

ایک دن وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جب مہمان خانے میں واپس ہوا تو سارے گھر میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ حکیم شدت اضطراب میں اپنا سینہ پیٹ رہا تھا۔ فارنیا پچھاڑیں کھا کھا کر زمین پر لوٹ رہی تھی، سب سے بُرا حال اس کی ماں کا تھا۔ وہ صدمہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ اچانک یہ کیفیت دیکھ کر نوجوان سکتے میں آ گیا حیرت کے عالم میں حکیم کا ہاتھ پکڑ کر ایک کنارے لے گیا اور اپنے قریب بٹھاتے ہوئے نہایت تسلی آمیز لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

آخر اچانک کیا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ازراہ کرم میری حیرت کا ازالہ کیجئے۔ یک بیک یہ کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ مجھے فوراً بتایئے۔

کافی دیر تک نوجوان حیرانی کے عالم میں حکیم کی بے چینیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس حقیقت کا سراغ لگانے کے لیے اس کے دل کا اضطراب دم بدم بڑھتا جا رہا تھا کہ بغیر کسی ظاہری سبب کے گھر میں ہر طرف کہرام کیوں برپا ہے۔ کافی دیر کے بعد غم کا تلاطم کچھ سکون پذیر ہوا تو حکیم نے ایک نہایت لرزہ خیز اور انسانیت سوز واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے کہا:

ہمارا یہ شہر جو عین سمندر کے ساحل پر آباد ہے اب سے پہلے نو بار سمندر کے ہولناک تلاطم میں غرقاب ہو چکا ہے۔ جب جب اس شہر پر تباہی آتی جہاں کے باشندے اپنی املاک و جائیداد چھوڑ کر پیچھے ہٹتے گئے۔ اور اس یقین کی نشاندہی پر دوسری جگہ ایک نیا شہر آباد کیا کہ یہ مقام سمندر کی زد سے باہر ہے۔ لیکن وائے افسوس! کہ چند سال کے بعد جب شہر کی آبادی شباب پر پہنچ گئی تو اچانک سمندر کی لہریں قیامت کی طرح سر اُٹھائے ہوئے شہر پناہ کی دیواروں سے ٹکرانے لگیں اور چند گھنٹے نہیں گزرنے پائے کہ سارا شہر سمندر کی بلاخیز موجوں کے نیچے صفحۂ ہستی سے غائب ہو گیا۔ دسویں بار جب جزیرے کی سب سے اونچی سطح پر یہ شہر آباد کیا گیا تو ایک جادوگر نے بتایا کہ سمندر کے ساحلی علاقے پر ایک دیو کا قبضہ ہے۔ وہ کبھی یہاں کے باشندوں کو چین سے نہیں رہنے دے گا۔ یہ معلوم کر کے شہر کے راجہ نے اس جادوگر سے درخواست کی کہ وہ کوئی بھی ایسی تدبیر عمل میں لائے جس سے شہر کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔ جادوگر نے کئی دن کی محنت و غور کے بعد راجہ کو بتایا کہ اس کی ایک ہی تدبیر ممکن ہے اگر اسے عمل میں لانے کا وعدہ کیجئے تو میں بتاؤں۔

راجہ نے دوسرے دن شہر کے تمام لوگوں کو جمع کر کے اُنہیں جادوگر کے ساتھ اپنی گفتگو کی تفصیل بتائی اور دریافت کیا کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں جادوگر سے وعدہ کر لوں۔ ہر طرف سے آواز آئی کہ شہر کے مستقبل کا تحفظ ہمارے ہر مفاد سے بالاتر ہے۔ ضرور وعدہ کر لیا جائے۔

راجہ کے وعدہ کر لینے کے بعد جادوگر نے حکم دیا کہ سمندر کے اندر چالیس قدم کے فاصلے پر جس طرح بھی ممکن ہو پانی میں ایک مندر بنایا جائے جس کی قد آدم کھڑکیاں پچھم کی طرف کھلتی ہوں اور اس کے دروازے کا رُخ پُورب کی طرف ہو۔ مندر کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد ہر چھ مہینے پر شہر کی ایک حسین دوشیزہ منتخب کر کے عین چودھویں رات میں مندر کے اندر مقفل کر دی جائے۔ صبح کے وقت اس کی مردہ لاش جس کی ''دوشیزگی'' زائل ہو چکی ہوگی۔ مندر سے نکال کر سمندر میں بہا دی جائے۔ چونکہ راجہ قوم کی طرف سے زبان ہار چکا تھا۔ اس لیے دل پر جبر کر کے لوگوں نے جادوگر کی اس تجویز کو قبول کر لیا۔

حکیم نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس

واقعہ کو بیس برس سے زائد ہو گئے۔ اس وقت سے آج تک ہر چھ مہینے پر شہر کی ایک حسین دوشیزہ سمندری دیو کے بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ راجدھانی میں دوشیزاؤں کے انتخاب کے لیے باضابطہ ایک محکمہ کھول دیا گیا ہے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد محکمے کے دفتر میں شہر کی ہر خوبصورت لڑکی کے نام کا اندراج ریاست کے قانون کی رو سے نہایت ضروری ہے۔

دستور کے مطابق ہر چھ مہینے پر چاند کی ۱۲ تاریخ کو قرعہ اندازی کے ذریعہ جان اور عصمت کی بھینٹ چڑھانے کے لیے شہر کی دوشیزاؤں میں سے کسی کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اچانک حکیم کے جذبات میں رقت انگیز تلاطم کی کیفیت پیدا ہو گئی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ صبر وشکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے لگا۔ غم کی چوٹ ضبط نہ ہو سکی تو منہ سے چیخ نکل پڑی۔ نوجوان نے غمگسار ہمدردیوں کے ساتھ پھر اُسے تسلی دی۔ کافی دیر کے بعد افاقہ ہوا تو حکیم سے یہ سوال کیا۔

تمہاری اس پوری داستان میں ہمارے اس سوال کا جواب کہیں نہیں مل رہا ہے کہ بغیر کسی ظاہری سبب کے اچانک تمہارے یہاں صفِ ماتم کیوں بچھی ہوئی ہے۔

حکیم نے تھرتھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا وہی بات تو منہ سے نہیں نکل رہی ہے۔ سوچتا ہوں تو کلیجہ پھٹنے لگتا ہے تم جانتے ہو کہ میری جواں سال بیٹی فارینا مجھے کتنی لاڈلی ہے۔ ہمارے چمنستان آرزو کی تنہا وہ ایک مہکتی ہوئی کلی ہے۔ جس کے چہرے کی روشنی سے میرے گھر میں اُمیدوں کا چراغ جلتا ہے۔ ہائے اب ہم اس کے بغیر کیسے زندہ رہ سکیں گے۔

نوجوان نے حیرت سے پوچھا۔ خدا خیر کرے۔ اچانک اسے کیا ہو گیا ہے جو آپ اس قدر بے تاب ہیں۔

بڑی مشکل سے ڈوبے ہوئے جذبات میں یہ الفاظ حکیم کے منہ سے نکل سکے کہ آج شام کو محکمے کا افسر یہ اطلاع دے گیا ہے کہ اس مرتبہ قرعہ اندازی میں فارنیا کا نام نکل آیا ہے۔ کل چودھویں رات کی چاندنی میں ریاست کی پالکی دروازے سے پر لگ جائے گی۔ اسے دلہن کی طرف بنا سنوار کر تیار رکھا جائے۔

ہائے میری فارنیا! یہ الفاظ فضا میں گونجے اور حکیم صدمے کی شدت سے بیتاب ہو کر بے ہوش ہو گیا۔ نوجوان نے حکیم کو ہوش میں لانے کے لیے اس کے منہ پر پانی چھڑکا اور کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں۔ جب کچھ حالت سنبھل گئی تو نوجوان نے اسے اپنے قریب بٹھایا اور دل کی اتھاہ ہمدردیوں کے ساتھ اس سے یوں مخاطب ہوا۔

میرے محسن تمہارا غم مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ میں کبھی گوارا نہیں کر سکتا میرے ہوتے ہوئے تمہارے خوشی کا چمن اُجڑ جائے۔ یقین رکھو اپنی جان کی بازی لگا کر میں تمہاری مسرتوں کو واپس لانے کی کوشش کروں گا۔ صرف میری ایک پیش کش قبول کر لو۔ دو چار جملوں میں حکیم کا چہرہ اُمید کی کرن سے چمک اُٹھا۔ حیرت و مسرت کی ملی جلی کیفیت میں نوجوان سے دریافت کیا۔

''میں تمہارے حکم کی تعمیل کس طرح کر سکتا ہوں؟''

نوجوان نے جواب میں کہا۔ تمہیں صرف اتنا کرنا ہو گا کہ کل چاندنی رات میں جب پالکی دروازے پر لگ جائے تو اپنی فارنیا کے عوض مجھے بٹھا دینا۔

حکیم نے اپنی آواز کا تیور بدلتے ہوئے کہا۔

ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! فارنیا کے جنازے پر آنسو بہا کر میں صبر کر سکتا ہوں۔ لیکن اپنی غیرتوں کی لاش پر تابہ زیست مجھے ماتم کرنا ہو گا۔ میں کبھی اسے برداشت نہیں کر سکوں گا کہ بیٹی کی زندگی پر میں اپنے معزز مہمان کو بھینٹ چڑھاؤں۔ اپنے دامن پر ایک مقدس مسافر کے حزن کا دھبہ ہرگز قبول

نہیں کروں گا۔

نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میرے غمگسار میزبان! میں تمہیں اندھے اعتقاد کی تاریکی سے باہر نکالنا چاہتا ہوں۔ میرے ہاتھوں میں یقین کی جوتلوار ہے اس کی کاٹ سے تم ابھی واقف نہیں۔ اس تلوار سے چشم زدن میں بڑی سے بڑی باطل قوتوں کا سر میں نے قلم کر کے رکھ دیا ہے۔ شاید ابھی تم میری باتوں کا اعتبار نہ کرسکوں لیکن گرہ باندھ لو کہ صبح کے وقت مندر کا دروازہ کھلتے ہی تمہاری آنکھوں کی پٹی کھل جائے گی۔ پرسوں کا آفتاب اس وقت تک طلوع نہیں ہوگا جب تک کہ اس جزیرے میں تاریخ کا ایک نیا دور نہ شروع ہوجائے۔

حکیم نے استعجاب کے ساتھ دریافت کیا۔

کیا واقعی تم اس مہیب اور خوفناک دیو پر غالب آجاؤ گے جس نے نو مرتبہ ہماری جیتی جاگتی دنیا کو فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اور سینکڑوں عفت مآب دوشیزاؤں کا خون پی کر جس کی بہیمانہ قوتوں کا اندازہ اب ہمارے قیاس سے باہر ہے۔

نوجوان نے جھنجھلاتے ہوئے جواب دیا۔

معزز حکیم! اطمینان رکھو! ایک دردناک مصیبت کے وقت میں تم سے مذاق نہیں کررہا ہوں۔ میرا لفظ لفظ حقیقت کی شہادتوں سے بوجھل ہے۔ حق کی توانائی کا کرشمہ دیکھنے کے لیے کل رات کی سحر کا انتظار کرو۔

نوجوان کی گفتگو سے حکیم کی مسرتوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُمیدوں کے نشے میں سرشار ہوکر اُٹھا اور گھر کے صحن میں دوڑتی ہوئی جانوں کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا۔

ایک خوشگوار امید کے سہارے حکیم اور اس کی بیوی کے غم کا طوفان تھم گیا۔ لیکن فارنیا کی رات انتہائی بے چینی میں گذری نوجوان کے لیے ایک نامعلوم اضطراب کی آگ رہ رہ کر اُس کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ اُسے خطرے کا نشانہ بنا کر اپنی سلامتی کی قطعاً وہ کوئی خوشی محسوس نہیں کررہی تھی۔ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رات بھر وہ کروٹ بدلتی رہی کہ کسی طرح بھی نوجوان کو اپنے ارادے سے باز رکھا جائے لیکن نوجوان کے آہنی عزم کے سامنے اب کسی کی زبان نہیں کھل رہی تھی۔

آج چودھویں رات تھی لیکن شام ہی سے فضاؤں پر سوگوار اُداسیوں کا سایہ مسلط ہوگیا تھا۔ شہر کے ہزاروں نوجوان فارنیا کے غم میں تڑپ رہے تھے۔ ہر گلی میں ماتم وفغاں کا ایک شور برپا تھا۔ فارنیا تنہا زندگی ہزاروں زندگیوں کی اُمیدوں کا سررشتہ تھی۔ آج جزیرے کی آبادی ایک بے مثال دیکتا پری جمال حسینہ کے وجود سے خالی ہونے والی تھی۔

راجدھانی کی سلامتی کے لیے ایک عظیم قربانی کی تقریب میں شہر کے سارے معززین حکیم کے دروازے پر جمع ہوگئے تھے۔ ہر شخص کی زبان پر حکیم اور اس کے گھر والوں کے لیے تحسین وآفرین اور صبر وتسلی کے کلمات جاری تھے۔

دستور کے مطابق ٹھیک ایک پہر شب گذر جانے کے بعد پھولوں میں بسی ہوئی راج دربار کی پالکی حکیم کے دروازے پر آکر لگ گئی۔ پالکی کی کھڑکیوں پر مخمل کے زرنگار پردے لٹک رہے تھے۔ بھینٹ چڑھانے کی رسومات کا سامان لیے ہوئے نیم برہنہ پجاریوں کا ایک دستہ کھڑا تھا۔ کئی مہینے کی مدت قیام میں آج پہلی مرتبہ نوجوان نے حکیم کے زنانخانے میں قدم رکھا تھا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے وہ اندر کی خالی کوٹھری میں داخل ہوگیا تھا۔ وہیں اس نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔ دستور کے مطابق غروب آفتاب کے بعد بھینٹ چڑھنے والی دوشیزہ کی کوٹھری میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ کسی کو چہرہ دیکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی ماں باپ اس کے قریب نہیں جاسکتے تھے۔ اب وہ بالکل پرایا مال ہوجاتی تھی۔

پالکی کے ہمراہ راج دربار سے بھینٹ چڑھائی جانے والی دلہن کے لیے مخصوص جوڑے بھی آئے تھے۔ مندر کے ایک پجاری نے جوڑے کا صندوق نوجوان کی کوٹھری کے دروازے پر رکھا اور یہ آوز دیتا ہوا چلا گیا۔

جلوس کی روانگی کا وقت ہوگیا ہے۔ اب جوڑے پہن کر فوراً تیار ہو جاؤ۔

نوجوان نے صندوق کھول کر جوڑا نکالا اور اپنے پہنے ہوئے کپڑوں پر اسے پہن لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مندر کے پجاری آئے اور دروازے پر کھڑے ہو گئے۔

مہنت نے کہا۔ اب کوٹھری سے باہر نکل آؤ پالکی دروازے پر لگ گئی ہے۔

نوجوان اپنے جسم کو چادر میں لپیٹے، منہ چھپائے کنواری لڑکیوں کی طرح شرماتے لجاتے، سسکیاں لیتے ہوئے باہر نکلا اور پھول کی طرح آہستہ آہستہ زمین پر قدم رکھتے ہوئے پالکی کے قریب پہنچا۔ مہنت نے آگے بڑھ کر پالکی کا پردہ اٹھایا اور نوجوان اس کے اندر داخل ہوگیا۔ جیسے ہی پالکی اُٹھی حکیم کا پیمانۂ ضبط ٹوٹ گیا۔ آج ایک پردیسی مہمان کے جذبۂ اخلاص ووفا کا آخری امتحان تھا۔ انجام کے اندیشے سے بے ساختہ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ صبر وتسلی دینے والے احباب پہلے ہی سے تیار کھڑے تھے ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔

فارنیا گھر میں موجود نہیں تھی۔ سرشام ہی اسے کسی محفوظ جگہ منتقل کر دیا گیا تھا۔ حکیم کی بیوی بھی نوجوان کی فدا کاری پر اپنا سر پیٹ رہی تھی۔

پالکی شہر کی شاہراہوں سے گذرتی ہوئی سمندر کے ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک پہر رات گذر جانے کے باوجود تمام راستوں پر تماشائیوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔

جذبۂ عقیدت میں ہر طرف سے پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ تماشائیوں کا یہ ہجوم سمندر کے ساحل تک پالکی کے ہمراہ چلتا رہا۔ مندر تک لے جانے والے راستے کے سرے پر پہنچ کر پالکی زمین پر رکھ دی گئی اور ہجوم کو اُلٹے پاؤں رخصت کر دیا گیا۔ مہنت نے پالکی کا پردہ اُٹھا کر آواز دی۔

پالکی سے اُتر آؤ۔ یہاں سے مندر تک پیدل چلنا ہوگا۔ سر سے پاؤں تک چادر لپیٹے منہ چھپائے نوجوان باہر نکلا اور مہنت کے پیچھے پیچھے مندر کی طرف بڑھنے لگا۔ مندر کی عمارت کے سامنے پہنچ کر مہنت نے دروازہ کھولا اور نوجوان کو اندر داخل کر کے باہر سے مقفل کر دیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ منتر پڑھ کر رسومات ادا کیے اور اس کے بعد وہاں سے اُلٹے پاؤں رخصت ہو گیا۔

دروازہ مقفل ہو جانے کے بعد نوجوان نے زنانہ لباس اُتار کر باہر پھینک دیا۔ چاندنی رات میں کھلی کھڑکیوں سے سمندر کی خوفناک لہروں کا طوفان صاف دکھائی پڑتا تھا۔ رات کی تنہائی سناٹے کا عالم اور منٹ منٹ پر بلاخیز موجوں کے تصادم کی آواز دل دہلا دینے کے لیے کافی تھی۔ لیکن نوجوان پر حالت کی وحشت وہیبت کا مطلق کوئی اثر نہیں تھا۔ حکیم کی زبانی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ دیو کے آنے کا وقت رات ڈھل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ابھی رات کا صرف ایک پہر گزرا تھا نوجوان نے ہمت وخیال کی بکھری ہوئی طاقتوں کو سمیٹنے اور اعتماد ویقین کے معنوی ہتھیاروں سے اپنے آپ کو لیس کرنے کے لیے نماز کی نیت باندھ لی۔ حضور قلب اور نشاط بندگی کے ساتھ وہ رات ڈھلنے تک نماز میں مصروف رہا۔ اب دل کی راہ سے عرش الٰہی اور گنبد خضرا کا فاصلہ اتنا قریب ہوگیا تھا کہ وہ کھلی آنکھوں سے کارساز قدرتوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے جلو میں رحمتوں کے قافلے اُتر آئے تھے۔ کفر وطغیان کے چڑھے

ہوئے سمندر کا غرور توڑنے کے لیے اس کی آنکھوں میں غیرت کا حق جلال اُمنڈ رہا تھا۔ اس کے خون کے قطرے قطرے میں یقین کی توانائی جاگ اُٹھی تھی۔ جیسے ہی رات کی زلفِ سیاہ کمر سے نیچے ڈھلک کر آتی اچانک سمندر کی فضا ایک بھیانک ماحول میں تبدیل ہونے لگی۔ نوجوان بھی ایمان ویقین کے بپھرے ہوئے تیور کے ساتھ اُٹھا اور سمندر کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو گیا۔ کچھ ہی لمحے کے بعد دو سمندر کی طرح پر پہاڑ کی طرح کوئی بھاری بھر کم سایہ اسے حرکت کرتا نظر آیا۔ جیسے جیسے وہ قریب ہوتا جارہا تھا۔ نوجوان کے یقین کی تلوار بے نیام ہوتی جارہی تھی۔ پلک جھپکتے ہی ایک نہایت مہیب اور بھیانک دیو سامنے کھڑا تھا۔ آنکھون سے چنگاری برس رہی تھی۔ ماتھے پر سینگ کی طرح دو نکیلی برچھیاں کھڑی تھیں۔ سر سے لے کر پاؤں تک وحشت وخوف کا ایک ہیبت ناک سراپا بڑے سے بڑے جیوٹ کو بھی لرزہ براندام کر دینے کے لیے کافی تھا۔ لیکن نوجوان کے دل پر اس کی ہولناک منظر کا قطعاً کوئی اثر نہیں تھا۔

نگاہیں دوچار ہوتے ہی نوجوان نے باآواز بلند آیۃ الکرسی شریف کی تلاوت شروع کی۔

قرآن کی جلالتِ شان سے سمندر کا کلیجہ دہل گیا اور توحید الٰہی کی سطوت جلال سے فضا بوجھل ہوگئی۔ اب نوجوان کی آواز دم بدم تیز ہوتی جرا ہی تھی۔ ایک صف شکن مجاہد کی طرح ہاتھوں میں قہر الٰہی کی تلوار لیے ہوئے وہ دیو کو ہلاک کرنے پر تل گیا تھا۔ ایمانی جلال کے تیور میں ڈوبے ہوئے ایک ہی نعرۂ تکبیر نے عفریت کا کلیجہ شق کر دیا۔ چمکتی ہوئی آنکھوں سے ایک چنگاری اڑی اور سمندر کی فضا دھوئیں سے بھر گئی ایک مردِ مومن کی روحانی توانائیوں نے سمندر کے خوفناک دیو کا کام تمام کر دیا تھا۔ جو عفریب سالہا سال سے انسانی آبادیوں کا خون چوس رہا تھا آج ایمان کی مخفی طاقتوں کے آگے اس کی خدائی کا رسا طلسم ٹوٹ کے رہ گیا تھا۔

فضا صاف ہوئی تو نوجوان نے دیکھا کہ بہت دور ایک سیاہ دھبہ سمدر میں تحلیل ہو رہا تھا۔ بیساختہ نوجوان کی پیشانی سجدۂ شکر کے لیے جھک گئی۔ اسے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ قرآن کے وعدوں پر اس کے یقین کو ایک نئی زندگی مل گئی تھی۔ اس کی نظر میں ایک بندۂ مومن کا یہ سب سے قیمتی سرمایہ تھا جو محفوظ رہا۔ حجاز کی سرزمین پر کائنات کی راجدھانی میں اس نے سرشام ہی ایک پیغام بھیجا تھا۔ اپنے آقا کی چارہ گری پر وہ فخر وناز سے مچل مچل اُٹھتا تھا کہ اس کی فریاد رائیگاں نہیں ہوئی۔ مدینے کے آسمان سے عین اس وقت رحمتوں کا قافلہ اُترا جبکہ وہ سمندر کے سنسان ویرانے میں تنہا تھا اور ایک خوفناک دیو چنگھاڑتا ہوا قریب سے قریب تر ہوتا جارہا تھا کہ سرور وکیف کی ایک رقت انگیز کیفیت میں صبح تک اس کی پیشانی میں سجدے مچلتے رہے۔ اور ایمان ویقین کے چراغوں کی لَو تیز ہوتی رہی۔

ذہن کی خاموش سطح پر بار بار یہ تصویر اُبھر رہا کہ آخر نکھرے ہوئے ایمان میں کائنات کی کیسی کیسی طاقتیں جذب ہوگئی ہیں۔ دل کا یقین اگر سلامت ہے اور روح کا رشتہ غیبی حقیقتوں کے ساتھ مربوط ہے تو تنہا ایک مردِ مومن ساری دنیا کو فتح کرسکتا ہے۔ معنوی قوتوں پر ایمان لانے کے لیے اب اسے کسی دلیل کی حاجت نہیں تھی کھلی آنکھوں سے اس نے آسمانوں کے دروازے کھلتے ہوئے دیکھے تھے اور گنبد خضریٰ میں فریادوں کے باریاب ہونے کی آوز اس نے ماتھے کے کانوں سے خود سنی تھی۔ اب وہ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے حقیقتوں کا تماشائی تھا۔ وہ تصورات کی لذتوں میں گم تھا کہ ملاحوں کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ اب سحر ہو چکی تھی۔ نماز فجر

کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔

شہر والوں کے لیے اس طرح کی چودھویں راتیں اجنبی نہیں تھیں سینکڑوں بار گذر چکی تھیں۔ شہر کی تاریخ میں نوجوان دوشیزاؤں کی لاشوں کا انبار لگ چکا تھا۔ اب اس طرح کی راتوں میں سوائے گھر والوں کے کسی کے یہاں بھی کوئی خاص اضطراب نہیں محسوس کیا جاتا تھا۔ آج بھی ساری رات حکیم کے گھر پر ایک کہرام برپا رہا کسی کی آنکھوں میں نیند نہیں آئی۔ سب سے زیادہ بے چین فارنیا تھی اُسے رہ رہ کر نوجوان کا خیال ستارہا تھا۔ رات ڈھل جانے کے بعد اس کا اضطراب ناقابل برداشت ہوگیا تھا۔ کیونکہ سمندری دیو کے آنے کا وقت یہی تھا۔ وہ بار بار سوچتی تھی کہ نوجوان پر کیا گذری ہوگی صبح کا اُجالا جب ہر طرف پھیل گیا اور لوگوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تو راجہ کے کارندے حکیم کے گھر پر آموجود ہوئے کیونکہ دستور یہ تھا کہ لڑکی کا باپ ہی صبح کے وقت مندر کا دروازہ کھولتا تھا اور وہی اس کی بے جان لاش کو مندر کے پجاریوں کے حوالے کرتا تھا تاکہ وہ اس کی آخری رسومات ادا کریں۔ سوائے حکیم اور اس کی بیوی اور فارینا کے سارا شہر یہی جانتا تھا کہ دیو کی بھینٹ چڑھانے کے لیے قرعہ اندازی میں فارینا کا نام نکلا تھا اور پالکی میں اسی کو مندر تک پہنچایا تھا۔ اسی خیال کے مطابق فارینا کے باپ کو راجہ کے کارندے ایک جلوس کے ساتھ مندر کی طرف لے کر چلے، مندر کی حدود سے باہر ہزاروں تماشائیوں کا ہجوم شہر کی سب سے حسین دوشیزہ کی لاش دیکھنے کے لئے ٹھٹ باندھے کھڑا تھا۔

مندر کے دروازے تک پہنچ کر پجاری رُک گئے۔ حکیم نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے مندر کا قفل کھولا۔ دروازہ کھولتے وقت اس کا دل دھڑک رہا تھا کہ معلوم نہیں نوجوان کا کیا انجام ہوا ہو۔ ہمت کر کے جونہی دروازہ کھولا تو یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا کہ نوجوان سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

پجاری ایک غیر متوقع صورت دیکھ کر دہشت و حیرت سے چیخ پڑے۔ بجلی کی طرح یہ خبر تماشائیوں تک پہنچ گئی۔ سارے شہر میں ایک تہلکہ مچ گیا۔

راجہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ اپنے مصاحبین کے ساتھ دوڑا ہوا سمندر کے دروازے پر پہنچا۔ ابھی تک نوجوان مندر کے اندر ہی کھڑا تھا۔ راجہ نے حیرت سے اُسے دیکھا اور رعب و دہشت سے آنکھیں بند کرلیں۔

نوجوان نے باہر نکل کر راجہ کو تسلی دی کہ دہشت زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ میں وہی نوجوان ہوں جو کئی مہینے سے حکیم کے مکان پر مقیم ہوں۔ مجھے جب معلوم ہوا کہ برسہا برس سے ایک سمندری دیو آپ کے شہر کو غارت کررہا ہے اور اس کے قہر وظلم سے محفوظ رہنے کے لئے آپ کی حکومت ہر چھ مہینے پر شہر کی نوجوان دوشیزہ کو اس کی بھینٹ چڑھاتی ہے تو میں اس لرزہ خیز واقعہ سے تڑپ اٹھا۔ میرے پاس ایک ایسی طاقت ہے کہ اس کے ذریعہ میں بڑے سے بڑے دیو پر فتح پاسکتا ہوں۔ اس لیے میں نے اپنے معزز میزبان سے درخواست کی کہ وہ فارنیا کے بدلے مجھے دلہن بنا کر پالکی میں سوار کرادے تاکہ میں سمندری دیو کے قہر وستم سے اس شہر کی کنواری لڑکیوں کو نجات دلاسکوں۔ کافی اصرار کے بعد حکیم اس سنگین اقدام کے لئے تیار ہوا اور گذشتہ شب فارنیا کے بجائے مجھے اس مندر میں مقفل کردیا گیا۔

یہاں تک پہنچ کر وہ خاموش ہوا ہی تھا کہ راجہ نے مضطربانہ انداز میں سوال کیا۔

آج کی شب میں دیو کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا۔ اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

نوجوان نے نہایت شان استغنا کے ساتھ جواب دیا۔

وہی ماجرا پیش آیا جس کی توقع تھی۔ رات ڈھل جانے کے بعد وہ اپنے معمول کے مطابق آیا اور مندر کی کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں ایمان ویقین کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا۔ وہ جیسے ہی سامنے آیا میں نے اپنا عمل شروع کر دیا۔ اور چند ہی منٹ میں اس کی قوتوں کا سارا طلسم ٹوٹ کے رہ گیا۔ جلال حق کی ایک چنگاری نے اس کے دھوئیں اُڑا دیئے۔

راجہ نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا۔ اس کی ہیبت ناک شکل کا سامنا کرتے ہوئے کیا تم پر خوف نہیں طاری ہوا۔

نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ایک بندۂ مومن کو سوائے خدا کے کسی سے خوف نہیں ہوتا۔

اب سارا شہر اس نوجوان کو دیکھنے کے لئے بیتاب تھا۔ فارنیا بھی خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ نوجوان کی فتح وکامرانی سے اس کی زندگی میں اُمیدوں کی ایک نئی سحر طلوع ہو گئی تھی۔ وہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس موقع کا انتظار کر رہی تھی۔ جب نوجوان کے اخلاص وہمدردی کا شکریہ ادا کرے۔

راجہ نوجوان کو اپنے ہمراہ لیے ہوئے جیسے ہی مندر سے باہر نکلا تماشائیوں کے ہجوم نے نوجوان کو فرط عقیدت سے سر پر اُٹھا لیا۔ راج محل تک ساری رہ گذر پر مشتاقان دید دو رویہ کھڑے تھے۔ نوجوان جن جن راستوں سے گذر رہا تھا۔ ہر طرف پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں میں نوجوان کی عظمت وبرتری کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔

راجہ نے نوجوان کے اعزاز میں شہر کے سارے معززین کو اپنے دربار میں جمع کیا۔ سمندری دیو کے قہر وستم سے نجات کے سلسلے میں یہ شہر کا پہلا اجتماع تھا جو نوجوان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے منعقد کیا گیا تھا۔ سب سے پہلے راجہ نے کھڑے ہو کر ان لفظوں میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

معزز شہریو! آج صدیوں کے بعد وہ دن میسر آیا ہے کہ ہم نے ایک بہت خوفناک دشمن پر فتح پائی ہے۔ اور اس عظیم الشان فتح کا سہرا اس نوجوان کے سر ہے۔ جو چند مہینوں سے ہمارے شہر میں مقیم ہے۔ جس دیو کو ہم اپنی موت وحیات کا مالک سمجھے ہوئے تھے آج اس نوجوان نے اس کے فریب کا طلسم توڑ دیا ہے۔ نوجوان نے جس طاقت کے بل پر اس موذی دشمن کا قلع قمع کیا ہے۔ دراصل اسی طاقت کے آگے ہمیں سر جھکا دینا چاہئے۔ وہی دین سچا اور غالب ہے جس کے فیضان نے نوجوان کو ایک عجیب وغریب ہستی کا مالک بنا دیا ہے۔ کیوں نہ اس نعمت کے شکرانے میں ہم سب کے سب اسی دین کو قبول کر لیں۔

شہر کے ایک ذی اثر شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔

اس احسان کے بدلے میں نوجوان کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ لیکن جہاں تک نوجوان کے دین قبول کرنے کا سوال ہے اس سلسلے میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ ابھی عجلت سے کام نہ لیا جائے۔ بھینٹ چڑھانے کی اب جو تاریخ آ رہی ہے اس میں ایک بار اور آزمائش کر لی جائے۔ اگر سمندری دیو نہیں آیا تو ہم نوجوان کی روحانی طاقت اور اس کے دین کی برتری کو بے چون وچرا تسلیم کر لیں گے۔

راجہ کے ساتھ سارے مجمع نے اس رائے کی تائید کی۔ اسی ضمن میں ایک دانشور نے کھڑے ہو کر کہا کہ اس رائے میں اتنا اور اضافہ کر دیا جائے کہ اس بار دستور کے مطابق شہر کی نوجوان دوشیزہ بھی مندر کے اندر مقفل کی جائے تاکہ نوجوان کی روحانی توانائی کا پورے طور پر امتحان ہو جائے۔

نوجوان نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

ہمارا مقدس دین کسی بھی اجنبی مرد اور عورت کو تنہائی میں جمع ہونے کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔ اس لیے اس میں اتنی ترمیم ضرور کردی جائے کہ نوجوان دوشیزہ مندر کے اندر مقفل رہے گی اور میں باہر پہرہ دوں گا۔

نوجوان نے بیک زبان ہوکر کہا یہ صورت تو اور بھی ہمارے لیے اطمینان بخش ہے۔

آج پھر وہی چودھویں رات تھی ۔ پھر بھینٹ چڑھانے کے لیے شہر کی ایک دوشیزہ منتخب کی گئی اور دستور کے مطابق ایک پہر رات ڈھل جانے کے بعد اسے مندر میں مقفل کردیا گیا۔ آج کی رات اس لحاظ سے نہایت اہم رات تھی کہ اس کی صبح کو کئی ہزار انسانوں پر ابدی سعادتوں کا دروازہ کھلنے والا تھا۔ آج بھی نوجوان کا سینہ گریہ ومناجات کے سوز وگداز سے معمور تھا۔ آج نوجوان کی روحانی توانائی کا نہیں، اس کے پیارے دن کا بھی امتحان تھا۔ آدھی رات ڈھل جانے کے بعد پھر وہی دردوکرب میں ڈوبی ہوئی فریادیں، پھر وہی آیات الٰہی کی حق افروز تلاوتیں شروع ہوگئیں۔ آج نوجوان پر ایسی رقت انگیز کیفیت طاری تھی کہ بار بار رحمت خداوندی اس کا منہ چوم رہی تھی۔

رات ڈھلتی جارہی تھی اور نوجوان کی اشکبار آنکھوں کا تلاطم دم بدم بڑھتا جارہا تھا۔ آدھے سے زیادہ حصہ رات کا گذر چکا تھا۔ لیکن دیو کی آمد کا کہیں سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اسی عالم میں ستارے ڈوبنے لگے اور سمت مشرق سے سحر کی سپیدی نمودار ہوئی۔ جیسے ہی ملاحوں کی آواز کان میں گونجی نوجوان عالم بے خودی سے چونک اُٹھا۔ دیکھا تو سمندر کی شفاف موجوں پر سحر کا اُجالا چمک رہا تھا اذان دے کر نماز فجر ادا کی اور پروردگار عالم کے حضور میں سجدۂ شکر کے لیے گر پڑا۔ آج اس نے اپنے دین کا سر اونچا کردیا تھا۔

آج سارا شہر انتظار کی بے چینیوں میں رات بھر جاگتا رہا جیسے ہی سورج کی ٹکیہ چمکی ہزاروں پروانوں کا ہجوم مندر کی طرف دوڑ پڑا۔

راجہ بھی اپنے عملے کے ساتھ مندر کے لیے روانہ ہوا۔ سمندر کے ساحل پر قدم رکھتے ہی اس کی نظر نوجوان پر پڑی۔ جو ہاتھ پھیلائے دعا مانگ رہا تھا۔

نوجوان کو سلامت دیکھ کر راجہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ راجہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ مصاحبین نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

نوجوان دوشیزہ کا حال دیکھ کر ہی کوئی آخری فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

نہایت بے تابی کے عالم میں راجہ نے حکم دیا کہ پچھلے دستور کو بالائے طاق رکھ کر آج مندر کا دروازہ کوئی بھی کھولے۔

کئی ہزار تماشائیوں کی آنکھیں ٹکٹکی باندھے ہوئے مندر کے دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ جونہی دوروازہ کھلا شہر کی دوشیزہ سامنے کھڑی مسکرارہی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر سارا مجمع فرط مسرت میں بے قابو ہوگیا۔ نوجوان کو اپنی آنکھوں میں بٹھالینے کے لیے پروانوں کا اضطراب ناقابل برداشت ہوتا جارہا تھا۔ بڑی مشکل سے راجہ نے عقیدت وشوق کے اُمنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی اور نوجوان کی پابوسی کے لیے مجمع سے چند لمحے کی مہلت طلب کی جب مجمع کچھ سکون پذیر ہوا تو راجہ نے لڑکی سے رات کی سرگذشت دریافت کی۔

لڑکی نے جواب دیا۔

رات کی عجیب وغریب سرگذشت سننا چاہتے ہیں تو اس کی ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ شہر کے سارے مرد

وعورت بچے اور بوڑھے کسی میدان میں جمع کیے جائیں۔

راجہ نے لڑکی کی اس شرط کو منظور کرلیا۔ اس کے بعد نو جوان اور لڑکی کو اپنے ہمراہ لیے ہوئے مندر سے روانہ ہوا۔

راجہ کے کارندے ہر طرف اعلان کرتے پھر رہے تھے کہ شہر کے تمام لوگ فلاں میدان میں جمع ہو جائیں۔ ہزاروں ہزار افراد کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آنکی آن میں مقرر کردہ میدان میں اکٹھا ہو گیا۔ عین شدت انتظار کے عالم میں راجہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ مندر میں رات گذارنے والی لڑکی رات کی سرگزشت سنانا چاہتی ہے آپ حضرات غور سے سنیں۔ لڑکی نے نہایت دلیری کے ساتھ کھڑے ہو کر کہا۔

میرے بزرگو میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں اس خوشنما منظر کی تصویر کھینچ سکوں، جو رات میری نگاہ سے گذر چکی ہے۔ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آسمان سے روشن چراغوں کی قطار اُتری اور نو جوان کے سینے میں جذب ہو گئی۔ کئی بار فضاؤں میں نور کے بادل منڈلاتے ہوئے دیکھے اور نو جوان پر برس کر چلے گئے۔ یہ نو جوان اس دنیا کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ رات ڈھل جانے کے بعد دیو کے خطرے سے میرا خون سوکھتا جارہا تھا۔ لیکن نو جوان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کی برکت سے دُور دُور تک اس موذی دیو کی کہیں پرچھائیں بھی نظر نہیں آئی۔ بلاشبہ وہ کلام دل میں اُتار لینے کے قابل ہے۔ یہ اعلان کرنے کے لیے میری روح بے چین ہے کہ میں نے نو جوان کا وہ دین قبول کرلیا ہے جس کی برکتوں کی بارش سمندر کے ساحل پر ہوئی ہے۔ لڑکی کی بات ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ راجہ نے جذبات کے تلاطم میں شرابور ہو کر اعلان کیا۔

میں نو جوان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ بغیر کسی تاخیر کے ہمیں اور ہماری ساری رعایا کو اپنے سچے دین میں داخل کرے۔

آج کلمۂ توحید کی سربلندی کا دن تھا۔ اسلام کی فتح کے اعتراف میں گردنیں خود بخود جھکی جارہی تھیں۔ نو جوان نصرت الٰہی کی بارش میں اس درجہ شرابور تھا کہ بمشکل تمام اس نے کئی ہزار انسانوں سے کلمۂ توحید و رسالت کا اقرار لیا۔ دولت ایمان سے ساری آبادی کو مالا مال کر چکنے کے بعد اس نے راجہ کے ہاتھ سے اسی میدان میں ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھوائی۔

وہ نظارہ چشم فلک کے لیے بڑا ہی کیف آور تھا جب اسی میدان میں نماز کے لیے پہلی بار ہزاروں فرزندانِ توحید کی قطار کھڑی تھی اور نو جوان کی اقتداء میں بیک وقت سارا شہر خدائے قدوس کے آگے سجدہ ریز تھا۔

شام کو جب نو جوان حکیم کے گھر گیا تو فارنیا نیچی نگاہ کیے سامنے آئی اور نو جوان کا شکریہ ادا کیا۔

نو جوان نے فارنیا کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ اسلام اپنی بیٹیوں کو کسی نامحرم کے سامنے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ جہاں تک دیو کے چنگل سے تمہاری نجات کا سوال ہے۔ اس کے لیے میں شکریہ کا طلبگار نہیں ہوں۔ وہ میرے ایمان واسلام کا ایک خاموش فرض تھا۔ جسے میں نے انجام دیا۔ اس کے پیچھے انسانی ہمدردی کا اور کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہے۔ اس کے چند مہینے اس جزیرے میں قیام کر کے نو جوان نے بہت سارے افراد کو قرآن کی تعلیم دی اور انہیں دین کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔

وہ دن اس شہر والوں کے لئے قیامت سے کم نہیں تھا جس دن اسپین کا ایک تجارتی جہاز ساحل پر لنگرانداز ہوا اور سارے شہر نے برستی آنکھوں سے نو جوان کو رخصت کیا۔

☆☆☆

کچھ ایسی داستانیں دفن ہیں گور غریباں میں

خیر الاذکیاء سید الاتقیاء مولانا سید شاہ جرائت علی بیریا رحمۃ اللہ علیہ

از قلم : سید از بر علی جعفری ارغونی مداری

سرزمین

دار النور مکن پور شریف صدیوں سے مرکز ولایت اور مخزن تصوف وسلوک کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے ہر دور اور ہر صدی میں تقرب الی اللہ کی عظیم مسند پر زیب مسند رہے مقربان بارگاہ لم یزال کی جلوہ فرماء رہی چونکہ قطب المدار کا بلدہ ہے اس لئے یہاں کے ذرے نگینے ہوجاتے ہیں پھر جو نگینہ ہوگا اس کی نورانی شعائیں کسی آفتاب وماہتاب سے کم نہ ہونگی ان پاک ذوات استودہ صفات اولیاء کرام میں تیرھویں صدی میں الحاد ولادینی کی تاریکیوں میں شمع ایمان وایقان فروزاں کرنے والی عبقری ذات یعنی سید الاتقیاء، خیر الاذکیاء، رئیس الاصفیاء، مقتدائے اولیاء، حضرت مولانا الشاہ السید جرات علی بیریا علیہ رحمتہ اللہ الکبریاء کی ذات موضوع سخن ہے آپ کا نام نامی اسم گرامی جرات علی نسب عالی وقار آپ فاطمی حسینی ارغونی سید ہیں اور شاعری میں تخلص ''بیریا'' رکھتے ہیں اس وجہ سے پورے نام ''سید جرات علی بیریا'' سے مشہور زمانہ ہیں۔

خاندانی وراثت کے اعتبار سے شریف النفس منکسر المزاج. اور عاجزی پسند تھے روزہ دار اور عابد شب زندہ دار تھے غرض بہت بڑے متقی پرہیزگار تھے اپنے وقت کے نامور حکیم جید عالم عمدۃ الافاضل . باکمال شاعر . بے مثال مصنف صوفی اور پہلوان تھے تیرھویں صدی ہجری میں آپ کے علم وفضل کا سورج مطلع علم وحکمت پر طلوع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے غیر منقسم ہندوستان کی متعدد ریاستوں شہروں قصبوں پر ان کی ضیابار کرنوں نے صبح امید کا اجالا بکھیر دیا بالخصوص مدھیہ پردیس، میوات . متھرا . آگرہ . بندیل کھنڈ . سیتاپور . اودھ کے علاقوں سے آج بھی اس گھرانہ سے منسلک افراد حاضر دربار مدار العالمین ہوتے ہیں اور نذر خلوص وعقیدت پیش کرتے ہیں جو اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آج بھی اسی سرزمین سے وابستہ ہیں آپ کے علم وفضل کا بڑا شہرہ تھا آپ کی متعدد تصنیفات بتائی جاتی ہیں۔

(1) مونس الارواح منظوم

غیر مطبوعہ

عزیزی مولانا قاضی سید محمد توثیق میاں منصف مصباحی اطال اللہ عمرہ کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے

(.2) حقیقت الواصلین

اس کے علاوہ بھی متعدد تصنیفات کے بارے میں سنا ہے اگرچہ فقیر مداری شرف زیارت سے مشرف نہ ہوا لیکن تصنیفات کا ہونا ثابت ہے جیسا کہ تذکرۂ مشائخ مداریہ جلد

اول کی تقریظ میں حضرت ڈاکٹر عطا خورشید صاحب مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے تحریر کیا جب 1260ھ سید عطا حسین داناپوری رحمتہ اللہ علیہ پیادہ پاجج کے دوران مکن پور شریف آئے تھے، تو سید جرات علی میاں سے ملاقات ہوئی تھی، اور انھوں نے ان کو اپنی تصانیف پڑھ کر سنائی تھیں۔

یہ سب باتیں حضرت عطا حسین نے اپنے سفرنامہ ہدایت المسافرین قلمی میں لکھی ہیں۔۔۔

تصنیفی تالیفی کام کے ساتھ ساتھ شاعری کا بہت ذوق تھا اور آپ کا شمار استاذ الشعراء علماء میں ہوتا تھا آپ کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ مکن پور شریف و بیرون مکن پور شریف میں تھا جس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ

آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا حسین بخش شاہ صاحب نعیم فیروزآبادی کی مطبوعہ تصنیف میں آپ کی منقبت قطب المدار موجود ہیں برٹش دور حکومت مکن پور شریف کے کسی شخص نے کسی پر مقدمہ لگایا جس میں بحیثیت گواہ حضرت جرات علی بیریا تھے عدالت میں جب مقدمہ کی سنوائی ہونے لگی تو جج نے گواہ طلب کیا جب بحیثیت گواہ حاضر ہوئے تو وکیل نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے آپ نے فرمایا جرات علی جج نے کہا اچھا تو آپ جرات علی ہیں؟

جی

آپ بہت بڑے شاعر بھی ہیں؟

جی

جج نے کہا آپکی گواہی تب قبول کی جائیگی جب آپ پورا ماجرا اشعار میں سنائیں گے

آپ نے اپنی گواہی اور پورا واقعہ فی البدیہہ اشعار میں سنا دیا

جج اشعار میں گواہی سن کر اس قدر خوش ہوا کہ فیصلہ کر دیا

حضرت مولانا سید جرات علی بیریا کی مناجات جو مستجاب الدعوات میں سے ہے جب بھی پڑھی جائے جس مقصد کیلئے پڑھی جائے اللہ پاک اس کے طفیل حاجت رواء فرماتا ہے۔

والد گرامی مرتبت حضور تاج الاصفیاء ماہر علم الانساب حضرت علامہ صوفی الشاہ سید افسر علی میاں قبلہ جعفری المداری رحمتہ اللہ علیہ بعد نماز فجر اوراد و وظائف و معمولات وختم خواجگان سے فارغ ہو کر مناجات پابندی سے پڑھتے تھے جس کے تقریبا 36 بند نقل ہیں۔

میں نے کہا کہ مناجات بہت طویل ہے آپ نے فرمایا کہ تین سو بند تھے ہمیں اتنی ہی ملی ہے جو اپنی ڈائری میں نقل کر دی قارئین کی دلچسپی کیلئے چند بند پیش کر رہا ہوں۔

یاالہی روح ختم الانبیاء کے واسطے
رحم فرما شافع روز جزا کے واسطے
اے میرے مولی محمد مصطفیٰ کے واسطے
کر میری تکلیف زائل مرتضی کے واسطے
کر عفو میری خطا خیر النساء کے واسطے
معجزے تو نے دیئے ہر اک نبی کو جس قدر
خاتمہ انکا کیا در شہ لولاک پر
دیتے تھے مہر نبوت کی گواہی سب حجر
سر پہ سایہ کرتے تھے ہر دم پروں کو کھول کر
حکم تھا تیرا یہ مرغان ہوا کے واسطے
کر عفو میری.....
کیا میں اپنے طالع بد کی کجی ظاہر کروں
گر الف سیدھا لکھوں خم ہو کے بن جاتا ہے نوں
ہاتھ چھو جائے مرا تو ہوتے موتی نیلگوں
غیر ممکن ہے سیہ بختی کو اپنی لکھ سکوں
پارسائی دے تو بخت پارسا کے واسطے
کر عفو میری خطا....
اے خدا حاجت روائے خلق تیری ذات ہے

اس کے مکین سعد ابن ابی وقاص کی طرح جھونپڑیوں میں رہتے ہیں خیر اہل بستی سے ملا اور پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ یہاں جرات علی بیریا نام کے پہلوان رہتے ہیں سنا ہے کہ ان کے مقابل میں کوء پہلوان نہیں آتا ہے لوگوں نے بتایا کہ جی بڑے بڑے پہلوان خاک چاٹ جاتے ہیں اور اس مرد جری کے مقابلے کی تاب نہیں لاتے ہیں آنے والے بہادر پہلوان نے طمطراق سے کہا آج ہم یہی دکھانے آئے ہیں انہیں بلاؤ اکھاڑا تیار کرو اور ہم سے کشتی لڑینگے سادات کی بستی کسی مجرم کو سزا دینا تو پسند نہیں کرتی وہ طنز کا جواب طنزیہ لہجے میں کیا دیتی عفو و کرم کی بھیک دینے والوں نے بڑے نرم و نازک لہجے میں غرور کا تیشہ توڑ کر کہا وہ سامنے گھنے باغات میں بکریاں چرا رہے ہیں وہیں جا کر دو دو ہاتھ کر لو پہلوان جب باغ میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا کہ باغ میں ایک ہی شخص ہے اور وہ سب سے بوڑھے تناور مضبوط درخت کی موٹی شاخ جھکا کر اس کی پتیاں بکریوں کو کھلا رہا ہے یہ دیکھا تو پہلے ہی پہلوان مرعوب ہوگیا بہر حال طاقت میں کم یا زیادہ مگر تھا تو پہلوان کوء بزدل تو تھا نہیں پوچھا کیا آپ جرات علی بیریا ہیں پیڑ کی شاخ پکڑے پکڑے بالکل نرم لہجہ میں۔

آپ کون؟

اور یہاں کیسے؟

کیا کام ہے ان سے؟

پہلوان نے کہا کہ ہم پہلوان ہیں اور ان سے کشتی لڑنا چاہتے ہیں

ایک گرج دار لہجہ فضا میں گونجا

یہ ڈال مضبوط پکڑ کر میری بکریاں چراؤ میں جرات علی کو بلا کر لاتا ہوں

جیسے ہی اس نے ڈال پکڑی

آپ نے چھوڑ دی

موٹی مضبوط شاخ اوپر اٹھی تو پہلوان شاخ میں لٹک گیا آپ نے فرمایا کہ جرات علی کی جھکائی شاخ تو تم سے سادھی نہ گئی جرات علی سے کشتی کی جرات ہوئی کیسے؟

تب اس نے معافی مانگی اور چلا گیا

خوارق وکرامات

حضرت مولانا سید شاہ جرات علی صاحب بیریا مداری رحمتہ اللہ علیہ سے کرامات کا بھی صدور ہوتا تھا

ایک کرامت صوفئے باصفا رہبر شریعت شیخ طریقت حضرت علامہ صوفی الشاہ سید شفیع الحسن صاحب قبلہ جعفری مداری رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے

1. ہانڈی سے کھانا کم نہ ہونا

رات کی کالی زلفیں دن کا خوبصورت چہرا ڈھانپ چکی تھیں انہیں زلفوں کے نشیمن سے چاند کا چمکتا دمکتا چہرہ شرما شرما کر نکلتا اور چھپ جاتا۔

رات کا ایک پہر گزر چکا تھا تقریبا سبھی لوگ نیند کی پرسکون آغوش میں روپوش ہو چکے تھے

حضرت جرات علی بیریا مداری کے دروازے پر دستک کی آواز آئی

آپ بیدار ہو گئے پوچھا کون؟

آنے والے مہمانوں نے اپنا تعارف کرایا میں فلاں فلاں

کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

مہمان فلاں جگہ سے

آپ نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو تین مہمان دروازے پر کھڑے تھے

آپ نے اھلا و سہلا و مرحبا کہا اور اپنی کوٹھی

(مہمان خانے)

میں مہمانوں کا خیر مقدم کیا

کچھ گفتگو کے بعد اندرون خانہ تشریف لے گئے تاکہ

تو کریم وکارساز وقاضی الحاجات ہے
لطف کر مجھ پر ہجوم فکر غم دن رات ہے
رحم فرمانا ترے نزدیک کتنی بات ہے
اے تنزل رفع ، رنج وعنا کے واسطے
کرعفومیری ......
میرے رازق تو ہے ضامن رزق مخلوقات کا
آسرا ہے ہر کس وناکس کو تیری ذات کا
.توہی برلائے دعا اس مورد آفات کا
تجھ سوا پرساں نہیں ہے کوء میری ذات کا
بن ترے جاؤں کہاں میں التجا کے واسطے
کرعفومیری...
واسطہ حضرت سلیماں، یونس وداؤد کا
صالح وایوب کا موعود کا بیرود کا
لوط کا یعقوب کا اسحٰق کا محمود کا
واسطہ اے کبریاء ان انبیاء جود کا
کھولدے روزی مری مشکل کشا کے واسطے
کرعفومیری خطا...

اس کے علاوہ مناقب حسینی کا ایک دیوان حضرت الشاہ سید ذاکر حسین صاحب قبلہ جعفری مداری علیہ الرحمتہ کے پاس موجود تھا جس کے کچھ اقتباس حضرت علامہ الحاج قاری سید محضر علی صاحب قبلہ نے سہ ماہی رہبر نور میں "قدیم شعرائے مکن پور شریف کا اجمالی تذکرہ" میں نقل کئے ہیں۔
شاعری کے ساتھ ساتھ آپ کا محبوب مشغلہ پہلوانی بھی تھا آپ بہت طاقت ور پہلوان تھے بڑی بڑی کشتیاں لڑتے اور فتحیاب ہوجاتے تھے
آپ کی پہلوانی کا ایک واقعہ آج بھی بہت مشہور ہے جسے فقیر مداری نے اپنی والدہ محترمہ مکرمہ مخدومہ دام ظلھا علینا سے سنا نیز حضور بابائے قوم وملت حضرت علامہ حکیم الشاہ سید محمد ولی شکوہ جعفری مداری علیہ الرحمتہ والرضوان و وجاہت مآب قائد بے بدل محسن قوم حضرت سید دارا شکوہ صاحب جعفری مداری نوراللہ مرقدہ حضرت شاہ سید جرات علی بیریا ان تینوں کے حقیقی پردادا تھے
بابائے قوم وملت حضرت حکیم محمد ولی شکوہ بن حضرت مولانا سید علی شکوہ بن حضرت مولانا سید عابد علی بن حضرت مولانا سید جرات علی المتخلص بیریا رحمتہ اللہ علیہم
ودیگر مشائخ وسادات مکن پور شریف سے بھی سنا ہے
وارث قوت مولا علی
الشاہ سید جرات علی

....

کہتے ہیں کہ صبح دھوپ چھٹکی تو وہ حضرات انبیاء کرام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی بکریاں چرانے گاؤں کے جنگل میں پہونچ چکے تھے جنگل کیا جیسے جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری گاؤں کیا جنت کے حسین ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا و انھار من اللبن کا عکس جمیل شفاف نیلی ایسن کے کنارے صدیوں پرانے املی ودیگر جنس کے تناور درختوں کے باغ میں حسب عادت بکریوں کو چرا رہے تھے لحیم شحیم قدآور اور بہت بڑے پہلوان معلوم ہوتے تھے آپکی پہلوانی اور شجاعت وبہادری کے چرچے دور دور تک پھیلے تھے یعنی آپ کی شہرت کا سکہ اطراف واکناف سے لیکر ملک کے متعدد مقامات تک رائج تھا ویسے بھی ملک کی کء ریاستوں میں آپ کا حلقہ ارادت پھیلا تھا آپ جہاں جاتے وہاں کے بہادر پہلوان سامنا پکڑنے سے کنّی کاٹتے تھے ایک مرتبہ ملک کے نامور پہلوانوں میں سے ایک کشتی لڑنے کی غرض سے گاؤں میں داخل ہوا ٹوٹے پھوٹے چٹکے پھٹے بوسیدہ مکانات کے ساتھ ساتھ کچھ الجھے بکھرے چھپروں جھونپڑیوں کو دیکھ کر متعجب ہوا کہ پورے ملک بلکہ بیرون ملک میں جس قصبہ کی شہرت ہو اور

مہمانوں کے خوردونوش کا انتظام کیا جائیا آپ نے اپنی اہلیہ کو جگا
کر فرمایا تین مہمان آئے ہیں انکے کھانے پینے کا انتظام کرو
اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ اتنی رات گئے کہاں سے انتظام
کروں گھر میں اتنا کھانا نہیں ہے کہ ایک آدمی کا بھی پیٹ
بھر پائے تھوڑا ہے؟
جی بس تھوڑا ہے
آپ نے فرمایا ہانڈی چولھے پر رکھ کر گرم کرو پھر بنا دیکھے
نکالتی رہنا
چنانچہ آپ کی اہلیہ محترمہ نے ایسا ہی کیا
تینوں مہمانوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا اور کھانا کم نہیں ہوا
جتنا تھا اتنا ہی رہا

2 جتنا تھا سب کھا گئے

شہزادہء حضور بابائے قوم وملت پیر طریقت سید امین الحق
صاحب قبلہ جعفری مداری مدظلہ العالی بیان کرتے ہیں کہ
دادا محترم حضرت خواجہ سید جرات علی بیریا کے دور میں اہل ہنود
بطور مہمان سادات مکن پور شریف کی معزز ترین شخصیت کو
اعزاز کے طور پر دعوت دیتے تھے اور جب انکے معزز مہمان
تشریف لے آتے تو شادی کے کھانے کا آغاز انہیں سے
کراتے تھے۔
حضرت مولانا الشاہ سید جرات علی بیریا کے پڑوس میں بقال
رہتے تھے انکی نسل سے آج بھی رہتے ہیں
آپ کے پڑوس میں اہل ہنود بقال کے گھر بیٹی کی شادی تھی
بقال نے حسب دستور حضرت مولانا جرات علی صاحب کو
دعوت دی تھی آپ تشریف لے گئے کھانا شروع ہونے سے
پہلے دستور کے مطابق آپ کے سامنے کھانا لگا کر کہا مولانا
صاحب کھانا تناول فرمائیں تا کہ شگن ہو آپ نے منع فرمادیا
بقال بضد ہوا اور کہا کہ مولانا صاحب ہماری قوم کا دستور ہے
کہ کھانا معزز لوگوں سے شروع کیا جاتا ہے۔ کھانا شروع
ہونے سے پہلے آپ کو کھانا ہی پڑیگا آپ نے باصرار تمام
اقرار کرلیا کھانا لگایا گیا آپ نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا
اب کیا تھا تھال کے تھال صاف ہونے لگے تھوڑی ہی دیر
میں سب کھانا کھالیا اور کھانا ختم ہونے لگا کسی نے اس بقال
کو بتایا کہ مولانا صاحب کھانا کھا گئے اور کھانا ختم ہوگیا بقال
دوڑا ہوا گیا اور جہاں کھانا بن رہا تھا دیکھا سب کڑھاؤ خالی
ہوگئے سارا کھانا ختم ہوگیا چہرہ ست، حراساں پشیماں،
سماج کی بدنامی کے ڈر سے عار و مذلت میں ڈوبا ہوا نبضیں
تھمیں جسم پسینے پسینے بالآخر پاؤں پکڑ ہی لئے مولانا صاحب
دعا کرو ہمارے کڑھاؤ خالی ہوگئے ہمارے دسترخوان اجڑ گئے
ہمارے چولھے ٹھنڈے ہوگئے اب ہم باراتیوں کا مزید انتظام
نہیں کر سکتے بارات دروازے پر ہے اور گھر میں کھانے کو بھی
کچھ نہیں ہے مولانا صاحب اب ہو گا کیا
آنکھوں میں آنسو دیکھ کر آپ نے فرمایا کیا کھانا ختم ہوگیا؟ جی
اب ہم مہمانوں کو کیا کھلائیں گے فرمایا کھانا
مگر کھانا تو سب آپ نے کھالیا
آپ نے ہاتھ بلند کر کے کچھ پڑھا پھر فرمایا کہ جا کر کڑھاؤ میں
دیکھو دیکھا گیا تو کڑھاؤ پکوان سے بھرے تھے کھانا جیسا بنا تھا
ویسا ہی ہے لوگ ششدر تھے کہ جب کھایا تو سب کھا گئے
اور ابدیا تو سب بھر دیا یہ کرامت دیکھ کافی لوگ متاثر ہوئے

وما توفیقی الا باللہ

مزید تحقیق جاری

مقالہ نگار
خاک درولئی باری
سید ازبر علی مداری
خادم آستانہ عالیہ قطب المدار دار النور مکن پور شریف
6394344966
9648180965

قبر پر اذان کہنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین کہ بعد تکفین جو قبر پر اذان کہی جاتی ہے وہ کس حد تک درست ہے؟المستفتی:جعفرحسین وقاری مداری محلہ اسلام نگر بہیڑی 3/اگست1984ءالجواب بعون الملک الوھاب

بسم اللہ العزیز الملک الحق المبین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ المکرمین وعلی جمیع الاولیاء الکاملین وعلی سیدنامدار العامین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

عہدے رسالت سے لیکر آج تک نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وصحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین وفقہاء احناف وغیر احناف وعلمائے امت میں کسی نے کبھی بھی نہ قبر پر اذان دلائی نہ خود دی قولا وفعلا اذان کا کوئی ثبوت نہیں، سوائے اس کے کہ جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ کا 1 / رسالہ دستیاب ہوسکا جس میں انہوں نے 15 مفروضہ قائم کیے اور ان کی رو سے اپنے متبعین کو رجوع اور اذان قبر کا رواج دیا، خلاصۃ ان کے مفروضات لکھ کر جواب دیا جاتا ہے، .1 یہ ہے کہ قبر میں شیطان بہکانے پہنچ جاتا ہے اور اذان سے شیطان بھاگتا ہے اس لیے اذان مسنون ہوگی دلیل میں سفیان ثوری کا قول:''اذا سُئل من ربک تراءلہ الشیطان فیشیر الی نفسہ انی انا ربک''اور یہ خبر جس کی سند وحوالہ درج نہیں ''اللھمہ اجرہ من الشیطان'' اے اللہ اس کو شیطان سے بچا۔ جواب: پہلی دلیل سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول محض ہے، دوسری خبر بلا سند ہے، اور دوسری کے بارے میں موٹی سی بات یہ ہے کہ ہم ہر ذکر کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھ لیتے ہیں تو کیا بہکا ہی رہا ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے سانس ٹوٹنے کے بعد پھر شیطان کا کوئی کام باقی نہیں رہتا، اور وہ مردے کو چھوڑ کر زندوں کی طرف رجوع ہوتا ہے، مابعد الموت کے احوال کی خبر قرآن شریف وصحیح احادیث میں جس طرح منقول ہیں ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان کی کیفیات وجزئیات کا علم ہمارے احساسات ومعلومات سے اوجھل ہے، اور آج تک کسی نے کسی کی قبر میں بیٹھ کر نہ پتہ لگایا کہ کون سی چیز کیسے ہوتی ہے، کیا انسان ہمیشہ طبعی موت مرتا اور قبر ہیں میں دفن ہوتا ہے، کیا مردہ سن نے کے ساتھ پڑھ لیتا ہے اذان کی تلقین کی آواز قبر میں کدھر سے جاتی ہے، وہ وقت عین سوال کا ہوتا ہے، کیا اس کا حافظہ، سامعہ، باصرہ، لامسہ، ذائقہ سب کام کرتے ہیں کیا منکر نکیر کے سامنے شیطان کا بہکانہ تسلیم کیا جا سکتا ہے ان سوالوں کا جواب آسان نہیں، اتنا سمجھنا چاہیے انسان کا ایمان بولتا ہے اور وہی جواب دیتا ہے۔

مفروضہ .2اذان ذکر ہے اور حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کی قبر پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبحان اللہ کہا اور لوگوں نے اللہ اکبر کہا، لہذا اذان سنت ہوئی اس ضمن میں ایک عبارت نقل کی ہے جو یہ ہے ''لاینبغی ان یخل بشیئمن ھذہ الکلمات لانہ ھو المنقول''
جس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ان کلمات میں دوسرے کلمات کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، اور اس عبارت کو ہدایہ کی بتایا ہے۔

جواب:معلوم ہونا چاہیے کے ذکر مستحب ہے اور اذان کم سے کم سنت مؤکدہ ہے، اذان اعلان نماز ہے، اذان شعائر اسلام سے ہے، اس کا منکر لائق گردن زدنی ہے، اذان کی حیثیت ذکر کی نہیں، اس میں صرف دو کلمے ذکر کے شامل ہیں، بقیہ کلمیذ کر نہیں ہیں، اور کلمات اذان میں سبحان اللہ تو شامل بھی نہیں پھر کس طرح قبر پر اذان مسنون ہوگی اور کثرت ذکر کا

اطلاق چھ کیعد د پر کس قاعدے سے ہونے لگا اور جو عبارت ہدایہ کی بتائی جاتی ہے وہ متن ہدایہ میں نہ مل سکی، ممکن ہے کسی شرح کی ہو، اس عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ان کلمات میں دوسرے کلمات نہیں بڑھائے جاسکتے، اور نہ گھٹایا جاسکتا ہے، البتہ انہیں کلمات کی جنس کا اضافہ یعنی کثرت ذکر ممکن ہے۔

مفروضہ 3۔ **لقنوا موتاکم بلا اله الا الله**، یعنی اپنے قریب المرگ لوگوں کو **لا اله الا الله** کی تلقین کرو،

جواب: **لا اله الا الله** کی تلقین سے اذان کا جواز کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟

مولانا عبدالحی صاحب نے حاشیہ ہدایہ باب الجنائز میں اس کے یہی معنی مراد لینے کی روایت کی ہے، فرماتے ہیں "والمراد الذی قرب من الموت" دیگر ائمہ محدثین نے بھی یہی معنی مراد لیے ہیں اور قبر کے اندر تلقین کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہی نہیں،

مفروضہ 4۔ روایت نقل کی ہے اطفوا الحریق بالتکبیر، یعنی اللہ اکبر کے ذریعے سے آگ بجھاؤ،

جواب: قبر میں آگ بجھانے کے لئے اس روایت سے اذان کا کوئی جواز نہیں ملتا روایت میں صرف اللہ اکبر کا ذکر ہے جس کی تکرار بھی نہیں ہے،

مفروضہ نمبر 5۔ نمبر اول کی تکرار ہے،

مفروضہ 6. روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن سے فراغت کے بعد قبر رکتے تھے اور کہتے تھے کے ثابت قدمی کے لیے دعا کرو اور استغفار کرو،

جواب: اس روایت سے اذان کا ثبوت کسی طرح نہیں ملتا،

مفروضہ 7۔ دعا سنت ہے 8، 9۔ اذان ذکر ہے، 10.11. اذان ذکر مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہے،

جواب: اذان یہ اعلان صلاۃ کے لیے مخصوص ہے، شامی میں ہے، الاذان لغۃ الاعلام وشرعا اعلام مخصوص،

مفروضہ 12. حضرت آدم علیہ السلام جب دنیا میں اتارے گئے تو وحشت محسوس کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر اذان دی،۔

جواب: اول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں اتارے گئے یا قبر میں، علاوہ ازیں وہ الفاظ اذان کیا ہیں، جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ادا فرمائے جس کو مولانا نے اپنے مفروضے میں نقل نہیں فرمایا۔

مفروضہ 13. حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو جب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے غمگین دیکھا گھر والوں کے ذریعے اذان کہلوانے کو کہا،

جواب: حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا غم رفع ہونے کے لیے کان میں اذان کہلوانے کی تلقین فرمائی، لیکن حیات میں، دنیا سے رخصت ہونے کیعد تو نہیں، اس سے اذان قبر کا جواز قائم نہیں کیا جاسکتا۔

مفروضہ 14۔ و 15۔ امام نووی شارح مسلم کا قول ہے کہ میت کو دفن کر کے قبر کے پاس کچھ دیر بیٹھے اور ذکر خیر کرے، مندرجہ بالا دلائل میں کہیں بھی قبر پر اذان کا نام تک نہیں چہ جائیکہ اذان سنت ہو،

صحیح ہے کہ قبر پر میت کے لیے استغفار کرے اور ذکر خیر کرے اور تلاوت کرے اور ثابت قدمی کی اس کے حق میں دعا کرے لیکن اس سے اذان کا نتیجہ نکالنا ایک اجتہاد بے بنیاد اور قیاس مع الفارق ہے،

ابتدائے عہد نبوی سے آج تک رسالت مآب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وصحابہ وتابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین وعلمائے امت میں سے کسی سے کوئی ایک روایت قولی یا فعلی نہیں ملتی جس سے قبر پر اذان ثابت ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

مولانا اکبر علی سابق استاذ جامعہ عربیہ مدار العلوم مدینۃ الاولیاء مکن پور شریف کان پور نگر۔

فضائل ومسائل اور دلائل تراویح

ڈاکٹر فیض احمد چشتی

محترم قارئینِ کرام: رمضان المبارک میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا زیادہ عطا کیا جاتا ہے۔ اس ماہ مبارک میں دن میں روزے رکھے جاتے ہیں اور رات میں نماز تراویح ادا کی جاتی ہے۔ ماہ رمضان کی راتوں میں ادا کی جانے والی بیس رکعات نماز باجماعت کا نام ''تراویح'' اس لیے رکھا گیا کہ جب لوگوں نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا شروع کی تو وہ ہر چار رکعت کے بعد اتنی دیر آرام کرتے تھے، جتنی دیر میں چار رکعات پڑھی جاتی تھیں، یعنی تراویح کے معنی آرام والی نماز ہے۔ نماز تراویح بالا جماع سنت مؤکدہ ہے اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی اہمیت و فضیلت بیان ہوئی ہے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نماز تراویح کی مداومت فرمائی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے اوپر لازم کرلو''۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نماز تراویح ادا فرمائی اور اسے پسند فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''جو رمضان میں قیام کرے ایمان کی وجہ اور طلب ثواب کیلیے، اس کے اگلے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے'' یعنی صغائر۔ پھر اس اندیشہ سے کہ امت پر فرض نہ ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک فرمائی۔ خلیفہ ؟ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (رمضان المبارک کی) ایک شب مسجد میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو متفرق طور پر نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ سب کو ایک امام کے ساتھ جمع کر دوں تو بہتر ہے''۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے ایک امام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگوں کو اکٹھا کر دیا۔ پھر دوسرے دن تشریف لے گئے تو ملاحظہ فرمایا کہ لوگ ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت آپ نے فرمایا ''یہ ایک اچھی بدعت ہے۔ (بہار شریعت۔ مصباح الفقہ اول)

واضح رہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنایا تو تمام صحابہ ؟ کرام نے اس پر اتفاق کیا اور کسی نے اعتراض نہیں کیا، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بہتر قرآن مجید پڑھنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو رَمضان میں ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کے لیے قیام کرے، تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔ (مسلم صفحہ ۲۸۳ حدیث ۹۵۷، چشتی)

حکیم الاُمّت حضرت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ حدیثِ پاک کے تحت فرماتے ہیں: تراویح کی پابندی کی برکت سے سارے صغیرہ (یعنی چھوٹے) گناہ معاف ہو جائیں گے کیونکہ گناہِ کبیرہ (یعنی بڑے گناہ) توبہ سے اور حقوق العباد (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کے ساتھ) حق والے کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔ (مراۃ المناجیح جلد۲ صفحہ ۸۸۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے رَمضان کے روزے تم پر فرض کیے اور میں نے تمہارے لیے رَمضان کے قیام کو سنت قرار دیا ہے لہٰذا جو شخص رَمضان میں روزے رکھے اور ایمان کے ساتھ اور حصولِ ثواب کی نیت سے قیام کرے (یعنی تراویح پڑھے) تو وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل گیا جیسے ولادت کے دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ (سنن نسائی صفحہ۹۶۳ حدیث۲۲۰۷)

رَمَضانُ الْمبارَک میں جہاں ہمیں بے شمار نعمتیں میسر آتی ہیں انہی میں تراویح کی سنت بھی شامل ہے اور سنت کی عظمت کے کیا کہنے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جس نے میری سنت سے مَحَبَّت کی اُس نے مجھ سے مَحَبَّت کی اور جس نے مجھ سے مَحَبَّت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ابن عساکر جلد۹ صفحہ۳۴۳، چشتی)

تراویح سنّتِ مُؤَکَّدَہ ہے اور اس میں کم از کم ایک بار ختم قران بھی سنّتِ مُؤَکَّدَہ۔

افسوس! آج کل دینی مُعاملات میں سستی کا دَوردورہ ہے، عموماً تراویح میں قرانِ کریم ایک بار بھی صحیح معنوں میں ختم نہیں ہو پاتا۔ قرانِ پاک ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے، مگر حال یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے تو اکثر لوگ اُس کے ساتھ تراویح پڑھنے کیلیے تیار ہی نہیں ہوتے! اب وُہی حافظ پسند کیا جاتا ہے جو تراویح سے جلد فارِغ کر دے۔ یاد رکھئے!

تراویح اور نماز کے علاوہ بھی تلاوت میں حرف چبا جانا حرام ہے۔ اگر تراویح میں حافظ صاحب پورے قرآنِ کریم میں سے صرف ایک حرف بھی چبا گئے تو ختم قران کی سنت ادا نہ ہو گی۔ بلکہ دورانِ نماز حرف چب جانے کی وجہ سے معنیٰ فاسد ہونے یا مُہمل یعنی بے معنیٰ ہو جانے کی صورت میں وہ نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ لہٰذا کسی آیت میں کوئی حرف ''چب'' گیا یا دُرست ''مَخرج'' سے نہ نکلا اور بدل گیا تو لوگوں سے شرمائے بغیر پلٹ کر پھر پڑھیے اور دُرُست پڑھ کر پھر آگے بڑھئے۔ ایک افسوس ناک اَمر یہ بھی ہے کہ حفاظ کی ایک تعداد ایسی ہوتی ہے جسے ترتیل کے ساتھ پڑھنا ہی نہیں آتا! تیزی سے نہ پڑھیں تو بھول جاتے ہیں! ایسوں کی خدمتوں میں ہمدردانہ مشورہ ہے، لوگوں سے نہ شرمائیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کی ناراضی بہت بھاری پڑے گی لہٰذا بلا تاخیر تجوید کے ساتھ پڑھانے والے کسی قاری صاحب کی مدد سے از ابتدا تا اِنتہا اپنا حفظ دُرُست فرما لیں۔ مدولین (واؤ، ی اور الف ساکن اور قبل کی حرکت موافق ہو تو (یعنی واؤ کے پہلے پیش اور ی کے پہلے زیر اور الف کے پہلے زبر) اس کو مد اور واؤ اور ی ساکن ماقبل مفتوح کو لین کہتے ہیں) کا خیال رکھنا لازمی ہے نیز مد، غنہ، اظہار، اِخفا وغیرہ کی بھی رعایت فرمائیں۔

صدرُ الشَّریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی فرماتے ہیں: فرضوں میں ٹھہر ٹھہر کر قراءت کرے اور تراویح میں مُتَوَسِّط (یعنی درمیانہ) انداز پر اور رات کے نوافل میں جلد پڑھنے کی اجازت ہے، مگر ایسا پڑھے کہ سمجھ میں آسکے یعنی کم سے کم ''مد'' کا جو دَرَجہ قاریوں نے رکھا ہے اُس کو ادا کرے ورنہ حرام ہے۔ اس لئے کہ ترتیل سے (یعنی خوب ٹھہر ٹھہر کر) قران پڑھنے کا حکم ہے۔ (بہار شریعت جلد ۱ صفحہ ۷۴۵، چشتی) (دُرِّمُختار و رَدُّ الْمُحتار ج۲ ص۰۲۳)

پارہ 29 سُوْرَۃُ الْمُزَّمِّل کی چوتھی آیت میں ارشادِ ربانی ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔

ترجمہ:اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ترتیل سے پڑھنا کسے کہتے ہیں!: احمد رضا خان قادری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ ''کمالین علیٰ حاشیہ جلالین'' کے حوالے سے ''ترتیل'' کی وضاحت کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں: ''قرآنِ مجید اِس طرح آہستہ اور ٹھہر کر پڑھو کہ سننے والا اِس کی آیات و الفاظ گن سکے۔ (فتاوٰی رضویہ مُخَرَّجہ ج۶ص ۲۷۶)

نیز فرض نماز میں اس طرح تلاوت کرے کہ جدا جدا ہر حرف سمجھ آئے، تراویح میں مُتَوَسِّط (یعنی درمیانہ) طریقے پر اور رات کے نوافل میں اتنی تیز پڑھ سکتا ہے جسے وہ سمجھ سکے۔(دُرِّمُختار ج۲ص۳۲۰)

''مدارِکُ التَّنزِیل'' میں ہے: ''قران کو آہستہ اور ٹھہر کر پڑھو، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اطمینان کے ساتھ، حروف جدا جدا، وقف کی حفاظت اور تمام حرکات کی ادائیگی کا خاص خیال رکھنا ہے، ''تَرْتِیْلًا'' اس مسئلے میں تاکید پیدا کر رہا ہے کہ یہ بات تلاوت کرنے والے کیلیے نہایت ہی ضَروری ہے۔'' (مدارِکُ التَّنزِیل ص۱۲۹۲) (فتاوٰی رضویہ مُخَرَّجہ ج۶ص ۲۷۹،۲۷۸ ، چشتی)

قرآنِ کریم پڑھنے پڑھانے والوں کو اپنے اندر اِخلاص پیدا کرنا ضروری ہے اگر حافظ اپنی تیزی دکھانے ،خوش آوازی کی داد پانے اور نام چمکانے کیلیے قرآنِ کریم پڑھے گا تو ثواب تو دُور کی بات ہے، اُلٹا حب جاہ اور ریاکاری کی تباہ کاری میں جا پڑے گا! اِسی طرح اُجرت کالین دین بھی نہ ہو، طے کرنے ہی کو اُجرت نہیں کہتے بلکہ اگر یہاں تراویح پڑھانے آتے اِسی لیے ہیں کہ معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ طے نہ ہوا ہو، تو یہ بھی اُجرت ہی ہے۔اُجرت رقم ہی کا نام نہیں بلکہ کپڑے یا غلہ (یعنی اناج) وغیرہ کی صورت میں بھی اُجرت ، اُجرت ہی ہے۔ہاں اگر حافِظ صاحب نیت کے ساتھ صاف صاف کہہ دیں کہ میں کچھ نہیں لوں گا یا پڑھوانے والا کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا۔ پھر بعد میں حافظ صاحب کی خدمت کر دیں تو حرج نہیں کہ بخاری شریف کی پہلی حدیثِ مبارک میں ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات۔یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔(صحیح بُخاری جلد۱صفحہ۶ حدیث۱)

احمد رضا خان قادری عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی بارگاہ میں اُجرت دے کر میت کے اِیصالِ ثواب کیلیے خَتمِ قرآن و ذِکرُ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کروانے سے مُتَعَلِّق جب اِستفتا پیش ہوا تو جواباً ارشاد فرمایا: تلاوتِ قران وذِکرِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ پر اُجرت لینا دینا دونوں حرام ہے، لینے دینے والے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں اور جب یہ فِعلِ حرام کے مرتکب ہیں تو ثواب کس چیز کا اَموات (یعنی مرنے والوں) کو بھیجیں گے؟ گناہ پر ثواب کی اُمید اور زیادہ سخت واَشد (یعنی شدید ترین جرم) ہے۔اگر لوگ چاہیں کہ ایصالِ ثواب بھی ہو اور طریقۂ جائزہ شرعیہ بھی حاصل ہو (یعنی شرعاً جائز بھی رہے) تو اِس کی صورت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو گھنٹے دو گھنٹے کے لئے نوکر رکھ لیں اور تنخواہ اُتنی دیر کی ہر شخص کی مُعَیَّن (مقرر) کر دیں۔مَثَلًا پڑھوانے والا کہے: ''میں نے تجھے آج فلاں وَقت سے فلاں وَقت کیلیے اِس اُجرت پر نوکر رکھا (کہ) جو کام چاہوں گا لوں گا۔'' وہ کہے: ''میں نے قبول کیا۔'' اب وہ اُتنی دیر کے واسطے اَجیر (یعنی ملازِم) ہو گیا، جو کام چاہے لے سکتا ہے اس کے بعد اُس سے کہے فلاں مَیت کے لئے اِتنا قرآنِ عظیم یا اِس قدر کلمہ ؟ طیبہ یا دُرُود پاک پڑھ دو۔ یہ صورت جواز (یعنی جائز ہونے) کی ہے۔

اِس فتوے کی روشنی میں تراویح کیلیے حافظ صاحب کی بھی ترکیب ہو سکتی ہے۔مَثَلًا مسجد کمیٹی والے اُجرت طے کر کے حافظ صاحب کو ماہِ رَمَضانُ المبارَک میں نماز عشا کیلیے امامت پر رکھ لیں اور حافظ صاحب بِالتَّبَع یعنی ساتھ ہی ساتھ

تراویح بھی پڑھا دیا کریں کیوں کہ رَمَضانُ المبارَک میں تراویح بھی نمازِ عشا کے ساتھ ہی شامل ہوتی ہے۔ یا یوں کریں کہ ماہِ رَمَضان المبارَک میں روزانہ دو یا تین گھنٹے کیلیے (مَثَلاً رات 8 تا 11) حافظ صاحب کو نوکری کی آفر کرتے ہوئے کہیں کہ ہم جو کام دیں گے وہ کرنا ہوگا، تنخواہ کی رقم بھی بتادیں، اگر حافظ صاحب منظور فرمالیں گے تو وہ ملازم ہو گئے۔ اب روزانہ حافظ صاحب کی ان تین گھنٹوں کے اندر ڈیوٹی لگا دیں کہ وہ تراویح پڑھا دیا کریں۔ یاد رکھیے! چاہے امامت ہو یا مؤذِّنی ہو یا کسی قسم کی مَزدوری جس کام کیلیے بھی اِجارہ کرتے وقت یہ معلوم ہو کہ یہاں اُجرت یا تنخواہ کا لین دَین یقینی ہے تو پہلے سے رقم طے کرنا واجِب ہے، ورنہ دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔ ہاں جہاں پہلے ہی سے اُجرت کی مقررہ رقم معلوم ہو مَثَلاً بس کا کرایہ، یا بازار میں بوری لادنے، لے جانے کی فی بوری مزدوری کی رقم وغیرہ۔ تو اب بار بار طے کرنے کی حاجت نہیں۔ یہ بھی ذِہن میں رکھیے کہ جب حافظ صاحب کو (یا جس کو بھی جس کام کیلیے) نوکر رکھا اُس وقت یہ کہہ دینا جائز نہیں کہ ہم جو مناسب ہوگا دے دیں گے یا آپ کو راضی کر دیں گے، بلکہ صَراحَۃً یعنی واضح طور پر رقم کی مقدار بتانی ہوگی، مَثَلاً ہم آپ کو 12 ہزار روپے پیش کریں گے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حافظ صاحب بھی منظور فرمالیں۔ اب بارہ ہزار دینے ہی ہوں گے۔ یاد رہے! مسجد کے چندے سے دی جانے والی اُجرت وہاں کے عرف سے زائد نہیں ہونی چاہیے، پہلے سے موجود امام صاحب دل برداشتہ نہ ہوں اِس کا بھی خیال رکھا جائے، پورے ماہِ رَمضان میں نمازِ عشا کی امامت کی چھٹی کے سبب امام صاحب کو مسجد کے چندے سے اُس ماہ کی عشا کی نمازوں کی تنخواہ دے سکتے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں اسی طرح کا عرف یعنی معمول جاری ہے۔ ہاں حافظ صاحب کو مطالبے کے بغیر اپنی مرضی سے طے شدہ سے زائد مسجد کے چندے سے نہیں بلکہ اپنے پلے سے یا اسی مقصد کے لیے جمع کی ہوئی رقم دے دیں تب بھی جائز ہے۔ جو حافظ صاحبان، یا نعت خوان بغیر پیسوں کے تراویح، قران خوانی یا نعت خوانی میں حصہ نہیں لے سکتے وہ شرم کی وجہ سے ناجائز کام کا ارتکاب نہ کریں۔ امام احمد رضا خان قادری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کر کے پاک روزی حاصل کریں۔ اور اگر سخت مجبوری نہ ہو تو حیلے کے ذَریعے بھی رقم حاصل کرنے سے گریز کریں کہ جس کا عمل ہو بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے۔ ایک امتحان سخت امتحان یہ ہے کہ جو رقم قبول نہیں کرتا اُس کی کافی واہ! واہ! ہوتی ہے۔ یہاں اپنے آپ کو حب جاہ اور ریاکاری سے بچانا ضروری ہے، بلا حاجت دوسروں سے تذکرہ کرنے سے بچنا اور دعائے اخلاص کرتے رہنا ایسے مواقع پر مفید ہوتا ہے۔

جہاں تراویح میں ایک بار قرآنِ پاک کی تلاوت کی جائے وہاں بہتر یہ ہے کہ ستائیسویں شب کو ختم کریں، رقت وسوز کے ساتھ اِختتام ہو اور یہ اِحساس دل کو تڑپا کر رکھ دے کہ میں نے صحیح معنوں میں قرانِ پاک پڑھا یا سنا نہیں، کوتاہیاں بھی ہوئیں، دل جمعی بھی نہ رہی، اِخلاص میں بھی کمی تھی۔ صد ہزار افسوس! دُنیوی شخصیت کا کلام تو توجہ کے ساتھ سنا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا پاکیزہ کلام دھیان سے نہ سنا، ساتھ ہی یہ بھی غم ہو کہ افسوس! اب ماہِ رَمَضانُ المُبارَک چند گھڑیوں کا مہمان رَہ گیا، نہ جانے آیندہ سال اس کی تشریف آوری کے وَقت اس کی بہاریں لوٹنے کیلیے میں زندہ رہوں گا یا نہیں! اِس طرح کے تصورات جما کر اپنی غفلتوں پر خود کو شرمندہ کرے اور ہو سکے تو روئے اگر رونا نہ آئے تو رونے کی سی صورت بنائے کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے، اگر کسی کی آنکھ سے مَحَبَّتِ قران و فراقِ رَمضان میں ایک آدھ قطرہ آنسو ٹپک کر مقبولِ بارگاہِ الٰہی

عَزَّ وَجَلَّ ہو گیا تو کیا بعید کہ اُسی کے صدقے اللہ تعالیٰ سبھی حاضرین کو بخش دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی تراویح ادا فرمائی اور اسے خوب پسند بھی فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جو ایمان وطلبِ ثواب کے سبب سے رَمضان میں قیام کرے اُس کے پچھلے گناہ (یعنی صغیرہ گناہ) بخش دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۶۵۸ حدیث ۲۰۰۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اندیشے کی وجہ سے ترک فرمائی کہ کہیں امت پر (تراویح) فرض نہ کر دی جائے۔ (صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۶۵۸ حدیث ۲۰۱۲، چشتی)

امیرُ الْمُؤمِنین حضرتِ سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے (اپنے دورِ خلافت میں) ماہِ رَمَضان الْمُبارَک کی ایک رات مسجد میں دیکھا کہ لوگ جدا جدا انداز پر (تراویح) ادا کر رہے ہیں، کوئی اکیلا تو کچھ حضرات کسی کی اقتدا میں پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا: میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ان سب کو ایک امام کے ساتھ جمع کر دوں۔ لہٰذا آپ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے حضرت سیدنا اُبَی بن کَعب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کو سب کا امام بنا دیا، پھر جب دوسری رات تشریف لائے اور دیکھا کہ لوگ باجماعت (تراویح) ادا کر رہے ہیں (تو بہت خوش ہوئے اور) فرمایا: نِعْمَ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ۔ یعنی ”یہ اچھی بدعت ہے۔ (بُخاری جلد ا صفحہ ۶۵۸ حدیث ۲۰۱۰، چشتی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارا کتنا خیال ہے! محض اِس خوف سےجماعتِ تراویح پر ہمیشگی نہ فرمائی کہ کہیں اُمت پر فرض نہ کر دی جائے۔ اِس حدیثِ پاک سے بعض وَساوِس کا علاج بھی ہو گیا۔ مثلاً تراویح کی باقاعدہ جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جاری فرما سکتے تھے مگر نہ فرمائی اور یوں اسلام میں اچھے اچھے طریقے رائج کرنے کا اپنے غلاموں کو موقع فراہم کیا۔ جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا وہ کام سیّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے محض اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاقیامت ایسے اچھے اچھے کام جاری کرتے رہنے کی اپنی حیاتِ ظاہری میں ہی اجازت مَرحمت فرما دی تھی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے: جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اُس کو اس کا ثواب ملے گا اور اُس کا بھی جو (لوگ) اِس کے بعد اُس پر عمل کریں گے اور اُن کے ثواب سے کچھ کم نہ ہو گا اور جو شخص اِسلام میں برا طریقہ جاری کرے اُس پر اِس کا گناہ بھی ہے اور ان (لوگوں) کا بھی جو اِس کے بعد اِس پر عمل کریں اور اُن کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہو گی۔ (صحیح مُسلم صفحہ ۸۰۵ حدیث ۱۰۱۷، چشتی)

اِس حدیثِ مبارَک سے معلوم ہوا، قیامت تک اسلام میں اچھے اچھے نئے طریقے جاری کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ (۱) امیرُ الْمُؤمِنین حضرتِ سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت کا اہتمام کیا اور اس کو خود ”اچھی بدعت“ بھی قرار دیا۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وِصالِ ظاہری کے بعد صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان بھی جو نیا اچھا کام جاری کریں وہ بھی بدعتِ حَسَنہ کہلاتا ہے۔ (۲) مسجد میں امام کیلیے طاق نما محراب نہیں ہوتی تھی سب سے پہلے حضرت سَیِّدُنا عمر بن عبدالعزیز رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے مسجدُ النَّبَوِی الشَّریف عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میں محراب بنانے کی سعادت حاصل کی اِس نئی ایجاد (بدعتِ حَسَنہ) کو اس قدر مقبولیت حاصل ہے کہ اب دنیا بھر میں مسجد کی پہچان اِسی سے ہے۔ (۳) اِسی طرح مساجد پر گنبد و مینار بنانا بھی بعد کی ایجاد ہے، یہاں تک کہ مسجدُ الحَرام کے مَنارے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے دَور میں نہیں تھے۔ (۴) ایمانِ مفصل۔ (۵) ایمانِ مُجمل۔ (۶) چھ کلمے اور ان کی تعداد وترکیب کہ یہ پہلا

یہ دوسرا اور ان کے نام۔ (۷) قرانِ کریم کے تیس پارے بنانا، اِعراب لگانا، ان میں رُکوع بنانا، رُموزِ اَوقاف کی علامات لگانا۔ بلکہ نقطے بھی بعد میں لگائے گئے، خوبصورت جلدیں چھاپنا وغیرہ۔ (۸) احادیثِ مبارکہ کو کتابی شکل دینا، اس کی اَسناد پر جرح کرنا، ان کی صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع وغیرہ اَقسام بنانا۔ (۹) فقہ، اُصولِ فقہ وعلم کلام۔ (۱۰) زکوٰۃ و فطرہ سکہ رائج الوقت بلکہ باتصویر نوٹوں سے ادا کرنا۔ (۱۱) اونٹوں وغیرہ کے بجائے سفینے یا ہوائی جہاز کے ذَریعے سفرِ حج کرنا۔ (۱۲) شریعت وطریقت کے چاروں سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہم

ہر بدعت گمراہی نہیں ہے: ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذِہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ ان دو احادیث مبارکہ (۱) کُلُّ بِدعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَّکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّار ۔یعنی ہر بدعت (نئی بات) گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔ (صحیح ابن خُزیمہ ج ۳ ص ۱۴۳ حدیث ۱۷۸۵) (۲) شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ بِدعَۃٍ ضَلالۃ ۔یعنی بدترین کام نئے طریقے ہیں ہر بدعت (نئی بات) گمراہی ہے۔ (مسلم ص ۴۳۰ حدیث ۸۶۷)۔ کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں احادیثِ مبارکہ حق ہیں۔ یہاں بدعت سے مراد بدعتِ سَیِّئہ (سَیْ۔یِ۔ئَہْ) یعنی بری بدعت ہے اور یقیناً ہر وہ بدعت بری ہے جو کسی سنت کے خلاف یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسا کہ دیگر احادیثِ مقدسہ میں اس مسئلے کی وضاحت موجود ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر وہ گمراہ کرنے والی بدعت جس سے اللہ عزوجل اور اس کا رسول راضی نہ ہو، تو اُس گمراہی والی بدعت کو جاری کرنے والے پر اُس بدعت پر عمل کرنے والوں کی مثل گناہ ہے، اُسے گناہ مل جانا لوگوں کے گناہوں میں کمی نہیں کرے گا۔ (ترمذی ج ۴ ص ۳۰۹ حدیث ۲۶۸۶)

بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ہٰذَا مَالَیْسَ فِیْہِ فَھُوَ رَدٌّ۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ حدیث ۲۶۹۷)۔ یعنی ''جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے جو اُس (کی اصل) میں سے نہ ہو وہ مردود ہے۔

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا ایسی نئی بات جو سنتِ سے دُور کر کے گمراہ کرنے والی ہو، جس کی اَصل دین میں نہ ہو وہ بدعتِ سَیِّئہ یعنی بری بدعت ہے، جبکہ دین میں ایسی نئی بات جو سنت پر عمل کرنے میں مدد کرنے والی ہو یا جس کی اصل دین سے ثابت ہو وہ بدعتِ حسنہ یعنی اچھی بدعت ہے۔

حضرتِ سیِّدُنا شیخ عبدالحق محدث دِہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ پاک ''کُلُّ بِدعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَّکُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّار'' کے تحت فرماتے ہیں: جو بدعت اُصول اور قواعد سنت کے موافق اور اُس کے مطابق قیاس کی ہوئی ہے (یعنی شریعت وسنّت سے نہیں ٹکراتی) اُس کو بدعتِ حَسَنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہو وہ بدعت گمراہی کہلاتی ہے۔ (اَشِعَّۃُ اللَّمعات جلد ۱ صفحہ ۱۳۵ چشتی)

بدعت حسنہ کے بغیر گزارہ نہیں:

اچھی اور بری بدعات کی تقسیم ضروری ہے کیوں کہ کئی اچھی اچھی بدعتیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو صرف اس لئے ترک کر دیا جائے کہ قرونِ ثلاثہ یعنی (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ؟ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان (۲) تابعینِ عظام اور (۳) تبع تابعینِ کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کے اَدوارِ پرانوار میں نہیں تھیں، تو دین کا موجودہ نظام ہی نہ چل سکے، جیسا کہ دینی مدارِس، ان میں درسِ نظامی، قران واحادیث اور اسلامی کتابوں کی پریس میں چھپائی وغیرہ وغیرہ یہ تمام کام پہلے نہ تھے بعد میں جاری ہوئے اور بدعت حسنہ میں شامل ہیں۔

تراویح ہر عاقل و بالغ مسلمان بھائی اور مسلمان بہن کیلیے

سنّتِ مُؤکدہ ہے۔(دُرِّ مختار ج ۲ ص ۶۹۵) اس کا تَرْک جائز نہیں۔(بہارِ شریعت ج ا ص ۸۸۶)

تراویح کی بیس رَکعَتیں ہیں۔حضرفاروقِ اعظم رَضِی اللہُ عَنہُ کے عہد میں بیس رَکعَتیں ہی پڑھی جاتی تھیں۔(اَلسُّنَن الکُبرٰی لِلبیہقی ج ۲ ص ۶۹۹ حدیث ۴۶۱۷)

تراویح کی جماعت سنّتِ مُؤکدہ عَلَی الکِفَایہ ہے، اگر مسجد کے سارے لوگوں نے چھوڑ دی تو سب اِسائت کے مرتکب ہوئے (یعنی بُرا کیا) اور اگر چند افراد نے باجماعت پڑھ لی تو تنہا پڑھنے والا جماعت کی فضیلت سے محروم رہا۔(ہدایہ ج ا ص ۷۰)

تراویح کا وقت عشا کے فرض پڑھنے کے بعد سے صبحِ صادِق تک ہے۔عشا کے فرض ادا کرنے سے پہلے اگر پڑھ لی تو نہ ہو گی۔(عالمگیری ج ا ص ۱۱۵)

وتر کے بعد بھی تراویح پڑھی جا سکتی ہے۔(دُرِّ مختار ج ۲ ص ۵۹۷) جیسا کہ بعض اوقات 29 کو رویت ہلال کی شہادت (یعنی چاند نظر آنے کی گواہی) ملنے میں تاخیر کے سبب ایسا ہو جاتا ہے۔

مُستَحَب یہ ہے کہ تراویح میں تہائی رات تک تاخیر کریں، اگر آدھی رات کے بعد پڑھیں تب بھی کراہت نہیں۔(لیکن عشا کے فرض اتنے مؤخر (Late) نہ کیے جائیں)(دُرِّ مختار ج ۲ ص ۵۹۸)

تراویح اگر فوت ہوئی تو اس کی قضا نہیں۔(دُرِّ مختار ج ۲ ص ۵۹۸)

بہتر یہ ہے کہ تراویح کی بیس رَکعَتیں دو دو کر کے دس سلام کے ساتھ ادا کریں۔(دُرِّ مختار جلد۲ صفحہ ۵۹۹)

تراویح کی بیس رَکعَتیں ایک سلام کے ساتھ بھی ادا کی جاسکتی ہیں، مگر ایسا کرنا مکروہِ (تنزیہی) ہے۔(دُرِّ مختار جلد ۲ صفحہ ۵۹۹، چشتی)

ہر دو رَکعت پر قعدہ کرنا فرض ہے، ہر قعدے میں اَلتَّحِیَّات کے بعد دُرُود شریف بھی پڑھے اور طاق رَکعت (یعنی پہلی، تیسری، پانچویں وغیرہ) میں ثَنا پڑھے اور امام تعوذ وتَسمِیہ بھی پڑھے۔

جب دو دو رَکعت کر کے پڑھ رہا ہے تو ہر دو رَکعت پر الگ الگ نیت کرے اور اگر بیس رَکعتوں کی ایک ساتھ نیت کر لی تب بھی جائز ہے۔(رَدُّالمُحتار ج ۲ ص ۵۹۷)

بلا عذر تراویح بیٹھ کر پڑھنا مکروہ ہے بلکہ بعض فقہائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کے نزدیک تو ہوتی ہی نہیں۔(دُرِّ مختار جلد ۲ صفحہ ۶۰۳)

تراویح مسجد میں باجماعت ادا کرنا افضل ہے، اگر گھر میں باجماعت ادا کی تو ترکِ جماعت کا گناہ نہ ہوا مگر وہ ثواب نہ ملے گا جو مسجد میں پڑھنے کا تھا۔(فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۱۶)

عشا کے فرض مسجد میں باجماعت ادا کر کے پھر گھر یا ہال وغیرہ میں تراویح ادا کیجئے اگر بلا عذرِ شرعی مسجد کے بجائے گھر یا ہال وغیرہ میں عشا کے فرض کی جماعت قائم کر لی تو ترکِ واجب کے گناہ گار ہوں گے۔

نابالغ امام کے پیچھے صرف نابالغان ہی تراویح پڑھ سکتے ہیں۔بالغ کی تراویح (بلکہ کوئی بھی نماز حتی کہ نفل بھی) نابالغ کے پیچھے نہیں ہوتی۔

تراویح میں پورا کلامُ اللہ شریف پڑھنا اور سننا سنّتِ مؤکدہ عَلَی الکِفَایہ ہے لہٰذا اگر چند لوگوں نے مل کر تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام کر لیا تو بقیہ علاقے والوں کیلیے کفایت کرے گا۔

قرآن دَرتراویح ختم کَردَن نہ فَرض ست وَنہ سُنّت عین۔یعنی تراویح میں قرآنِ کریم ختم کرنا نہ فرض نہ سنّتِ عین ہے۔اور صفحہ 335 پر ہے: خَتمِ قُرآن دَر تراویح سنّت کِفایہ اَست۔یعنی تراویح میں ختمِ قرآن سنّتِ کِفایہ ہے۔

اگر باشرائط حافظ نہ مل سکے یا کسی وجہ سے ختم نہ ہو سکے تو تراویح میں کوئی سی بھی سورتیں پڑھ لیجیے اگر چاہیں تو اَلَمْ تَرَ سے وَالنّاس دو بار پڑھ لیجیے، اس طرح بیس رَکعتیں یاد رکھنا آسان رہے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ا صفحہ ۱۱۸)

ایک بار بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ جَہر کے ساتھ (یعنی اُونچی آواز سے) پڑھنا سنت ہے اور ہر سورت کی ابتدا میں آہستہ پڑھنا مُستَحَب ہے۔ مُتَاَخِّرِین (یعنی بعد میں آنے والے فقہائے کرام رَحِمَہُمُ اللهُ علیہم) نے ختم تراویح میں تین بار قُلْ ھُوَ اللهُ شریف پڑھنا مُستَحَب کہا نیز بہتر یہ ہے کہ ختم کے دن پچھلی رَکعت میں الٓمّٓ سے مُفْلِحُوْن تک پڑھے۔ (بہارِ شریعت جلد ۴ صفحہ ۶۹۴، ۶۹۵، چشتی)

اگر کسی وجہ سے تراویح کی نماز فاسد ہو جائے تو جتنا قرانِ پاک اُن رَکعتوں میں پڑھا تھا اُن کا اِعادہ کریں تا کہ ختم میں نقصان نہ رہے۔ (عالمگیری ج ا ص ۱۱۸)

امام غلطی سے کوئی آیت یا سورت چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تو مُستَحَب یہ ہے کہ اُسے پڑھ کر پھر آگے بڑھے۔ (عالمگیری ج ا ص ۱۱۸)

الگ الگ مسجد میں تراویح پڑھ سکتا ہے جبکہ ختم قران میں نقصان نہ ہو، مَثَلاً تین مساجد ایسی ہیں کہ ان میں ہر روز سوا پارہ پڑھا جاتا ہے تو تینوں میں روزانہ باری باری جا سکتا ہے۔

دو رَکعت پر بیٹھنا بھول گیا تو جب تک تیسری کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے، آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ اور اگر تیسری کا سجدہ کر لیا تو چار پوری کر لے مگر یہ دو شمار ہوں گی۔ ہاں دو پر قعدہ کیا تھا تو چار ہوئیں۔ (عالمگیری ج ا ص ۱۱۸)

تین رَکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا اگر دوسری پر بیٹھا نہیں تھا تو نہ ہوئیں ان کے بدلے کی دو رَکعتیں دوبارہ پڑھے۔ (عالمگیری جلد ا صفحہ ۱۱۸)

سلام پھیرنے کے بعد کوئی کہتا ہے دو ہوئیں کوئی کہتا ہے تین، تو امام کو جو یاد ہو اُس کا اعتبار ہے، اگر امام خود بھی تذبذب (یعنی شک وشبہ) کا شکار ہو تو جس پر اعتماد ہو اُس کی بات مان لے (عالمگیری ج ا ص ۱۱۷)

اگر لوگوں کو شک ہو کہ بیس ہوئیں یا اٹھارہ؟ تو دو رَکعت تنہا تنہا پڑھیں۔ (عالمگیری ج ا ص ۸۱۱)

افضل یہ ہے کہ تمام شفعوں میں قراءت برابر ہو اگر ایسا نہ کیا جب بھی حرج نہیں، اِسی طرح ہر شفع (کہ دو رکعت پر مشتمل ہوتا ہے اس) کی پہلی اور دوسری رَکعت کی قراءت مساوی (یعنی یکساں) ہو، دوسری کی قراءت پہلی سے زائد نہیں ہونی چاہیے۔ (عالمگیری ج ا ص ۱۱۸)

امام و مقتدی ہر دو رَکعت کی پہلی میں ثنا پڑھیں (امام اَعُوْذ اور بِسْمِ الله بھی پڑھے) اور اَلتَّحِیَّات کے بعد دُرُود ابراہیم اور دعا بھی۔ (دُرِّ مختار ورَدُّ المحتار جلد ۲ صفحہ ۶۰۶، چشتی)

اگر مقتدیوں پر گرانی (دشواری) ہوتی ہو تو تشہد کے بعد اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ پر اکتفا کرے۔ (بہارِ شریعت جلد ا صفحہ ۰۹۶، چشتی) (دُرِّمُختار ورَدُّالمُحتار ج ۲ ص ۶۰۶)

اگر ستائیسویں کو یا اس سے قبل قرانِ پاک ختم ہو گیا تب بھی آخرِ رَمضان تک تراویح پڑھتے رہیں کہ سنّتِ مؤکّدہ ہے۔ (عالمگیری جلد ا صفحہ ۸۱۱)

ہر چار رَکعتوں کے بعد اُتنی دیر بیٹھنا مُستَحَب ہے جتنی دیر میں چار رَکعات پڑھی ہیں۔ (بہارِ شریعت ج ا ص ۶۹۰، چشتی) (عالمگیری ج ا ص ۱۱۵)

اس بیٹھنے میں اسے اختیار ہے کہ چپ بیٹھا رہے یا ذِکر و دُرُود اور تلاوت کرے یا چار رَکعتیں تنہا نفل پڑھے۔ (دُرِّمختار ج ۲ ص ۶۰۰) (بہارِ شریعت ج ا ص ۶۹۰)

یہ تسبیح بھی پڑھ سکتے ہیں:

سُبْحٰنَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ، سُبْحٰنَ ذِی الْعِزَّۃِ

وَالْعَظَمَۃِ وَالْھَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ، سُبْحٰنَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ یَا مُجِیْرُ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

بیس رَکعتیں ہو چکنے کے بعد پانچواں ترویحہ بھی مُستحب ہے، اگر لوگوں پر گراں ہو تو پانچویں بار نہ بیٹھے۔ (عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۱۵)

مقتدی کو جائز نہیں کہ بیٹھا رہے، جب امام رکوع کرنے والا ہو تو کھڑا ہو جائے، یہ مُنافقین سے مشابہت ہے۔ سورۃُ النسآء کی آیت نمبر 142 میں ہے: وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی۔

ترجمہ: اور (منافق) جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے)۔ (بہارِ شریعت ج ۱ ص ۳۹۶) (غُنیہ ص ۴۱۰)

فرض کی جماعت میں بھی اگر امام رُکوع سے اُٹھ گیا تو سجدوں وغیرہ میں فوراً شریک ہو جائیں نیز امام قعدۂ اُولیٰ میں ہو تب بھی اُس کے کھڑے ہونے کا انتظار نہ کریں بلکہ شامل ہو جائیں۔ اگر قعدے میں شامل ہو گئے اور امام کھڑا ہو گیا تو اَلتَّحِیَّات پوری کیے بغیر نہ کھڑے ہوں۔ رَمضان شریف جماعت سے پڑھنا افضل ہے، مگر جس نے عشا کے فرض بغیر جماعت کے پڑھے وہ وِتر بھی تنہا پڑھے۔ (بہارِ شریعت ج ۱ ص ۶۹۲، ۶۹۳)۔ بعض علما نے لکھا وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔

یہ جائز ہے کہ ایک شخص عشا وِتر پڑھائے اور دوسرا تراویح۔ حضرت سیّدنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فرض و وِتر کی جماعت کرواتے تھے اور حضرتِ سیّدنا اُبَی بن کعب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ تراویح پڑھاتے۔ (عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)۔

صفحہ ۶۴ کا بقیہ مضمون

توں ستا رب جاگدا تیری ڈاہڈے نال پریت

(اٹھو فرید! یہ سونے کا وقت ہے، قلب و روح کی مسجد کے صاف کرنے کا وقت ہے۔ تیرا تعلق اس ذات سے ہے جو سونے اور اونگھنے سے پاک ہے۔ سونے سے عشق کی منزل کھو بیٹھو گے)۔

اٹھ فرید اُستیا صبح نماز گزار
جو سر سائیں نہ بنویں سو سر کپ اتار

(فرید! اٹھو، اور صبح کی نماز پڑھو، کیونکہ خدا کے سامنے سر جھکاؤ گے تو عظمت حاصل کرو گے۔ تم خوب جانتے ہو جو سر خدا کے سامنے نہ جھکے اسے کاٹ دینا بہتر ہے)۔

آپ نے اپنے جذب آفریں کلام کے ذریعے شانِ خداوندی سے لے کر مقامِ بندگی اور فقر و درویشی کے تمام رموز خاص و عام ہو گیا اور لوگ اس کی بدولت مقام عبد و عبود کو سمجھنے لگے۔

آپ کی زندگی کا نصب العین تبلیغ اسلام رہا۔ اس سلسلے میں آپ نے ظالم اجڈ کفار اور روحانیت پر یقین نہ رکھنے والے مسلمانوں کو آمادۂ عمل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ خطۂ پنجاب میں لوگ آپ کا نام جپتے ہیں اور فرید فرید پکارتے ہیں۔ ایک زمانہ آپ سے فیض حاصل کر چکا تو آپ نے جلوت چھوڑ کر خلوت کی راہ پھر سے اختیار کر لی۔ اس کی وجہ خلق گریزی تھی اس کے علاوہ آپ عمر کے اس حصے میں پہنچ چکے تھے۔ جب انسان آرام و سکون کی تلاش میں ہوتا ہے۔ آپ مسلسل بیمار رہنے لگے تھے۔ ۵ محرم الحرام کو بیماری شدت اختیار کر گئی۔ عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی۔ نماز کے بعد بے ہوشی طاری ہوئی کچھ دیر بعد ہوش آیا تو دریافت فرمایا۔ عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا۔ ہاں آپ نے بھی پڑھ لی ہے۔ فرمایا دوبارہ پڑھ لوں۔ کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آیا تو پھر نماز پڑھی۔ تین دفعہ نماز پڑھنے کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ تاریخ وفات ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ ہے۔

۲۰ رکعات تراویح کا مدلل ثبوت

نمازِ تراویح کی بڑی ہی فضیلت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سنت قرار دیا ہے، اس لیے حضرات فقہا فرماتے ہیں کہ ہر عاقل بالغ مرد اور عورت کے ذمے تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ (سنن نسائی حدیث: ۱۲۲۰) (فیض القدیر حدیث: ۱۱۶۶۰) (ردالمحتار مع درالمختار)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح مردوں کیلیے تراویح پڑھنے کا اہتمام ضروری ہے اسی طرح خواتین کیلیے بھی تراویح کا اہتمام ضروری ہے، بعض خواتین تراویح کو اہمیت نہیں دیتیں بلکہ اس کو ترک کرنے کیلیے معمولی بہانوں کا بھی سہارا لیتی ہیں، ان کا یہ طرزِ عمل ہرگز درست نہیں۔ تراویح چونکہ سنت مؤکدہ ہے، اس لیے بلا عذر تراویح چھوڑتے رہنا گناہ ہے۔ (ردالمحتار)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح ادا فرماتے تھے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں نمازِ عشاء کے بعد بیس 20 رکعت نمازِ تراویح پڑھنی صحیح مذہب میں سنت مؤکدہ ہے اور تمام آئمہ دین یعنی امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ، امام مالک اور ان کے تلامذہ، امام شافعی اور ان کے تلامذہ، امام احمد بن حنبل اور ان کے تلامذہ کے علاوہ وہ دیگر مجتہدین بھی (جن کے مقلدین آج دنیا میں نہیں ہیں) اس کے سنت ہونے اور بیس رکعات ہونے پر متفق ہیں۔ رافضیوں کے علاوہ کوئی جماعتِ تراویح کا منکر نہیں ہے۔ غیر مقلدین (نام نہاد اہلحدیث یا اہل الظواہر) بیس رکعات پر کمزور اعتراض کرتے ہیں اور اپنی ہٹ دھرمی کے باعث آٹھ رکعات پڑھتے ہیں، جو ثابت نہیں۔ آٹھ رکعات کو تراویح کہنا بھی غلط اور باطل ہے، کیونکہ ''تراویح'' جمع ہے ''ترویحہ'' واحد ہے، ایک ترویحہ چار رکعات کا ہوتا ہے تو عربی قواعد کے اصولوں کے مطابق آٹھ رکعات ادا کرنے کے نتیجے میں دو ترویحہ بنتے ہیں جس پر تثنیہ کا اطلاق ہوتا ہے اور لغت کے حساب سے ''ترویحتان'' کہا جاتا ہے۔ عربی میں کسی بھی لفظ کی جمع کا اطلاق دو سے زائد پر ہوتا ہے لہٰذا آٹھ رکعات کو کبھی بھی تراویح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضور اکرم نے کبھی بھی رمضان میں آٹھ رکعات تراویح کے طور پر ادا نہیں فرمائیں۔ اور نہ ہی آٹھ رکعات ادا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے بسند صحیح حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کی کہ ''لوگ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے زمانہ میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں بھی ایسا ہی تھا'' اور ''موطا'' میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ ''عمر رضی اللہ عنہ، کے زمانہ میں لوگ تیئس 23 رکعات پڑھتے''۔ بیہقی نے کہا اس میں تین رکعتیں وتر کی ہیں اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ ''رمضان میں لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔'' نیز اس کے بیس رکعت میں یہ حکمت ہے کہ فرائض و واجبات کی اس سے تکمیل ہوتی ہے اور کل فرائض و واجبات کی ہر روز بیس رکعتیں ہیں (یعنی فجر 2 + ظہر 4 + عصر 4 + مغرب 4 + عشاء فرض 4 + وتر 3 = 20 رکعات) لہٰذا مناسب تھا کہ یہ بھی بیس ہوں۔ (بہار شریعت حصہ چہارم، صفحہ نمبر 30، چشتی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح)

اور وتر ادا فرماتے تھے۔ (مصنف شیبہ مترجم اردو جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 669 حدیث نمبر 7774، چشتی)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے لوگوں۔ کو بیس (20) رکعات نماز تراویح اور وتر پڑھائے رمضان المبارک میں۔ (تاریخ جرجان صفحہ نمبر 276)

حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے رمضان المبارک میں دو راتیں لوگوں کو بیس رکعات (20) نماز تراویح پڑھائی۔ (تلخیص الجبیر جلد 2 صفحہ نمبر 45)

منکرین بیس (20) غیر مقلد وھابی حضرات کو چیلنج ہے کہ آٹھ رکعات نماز تراویح پر ایک حدیث پیش کرو جس میں لفظ تراویح اور رمضان المبارک کا ذکر ہو اور جسے محدثین کرام علیہم الرّحمہ نے لکھا اور قبول کیا ہو نماز تہجد والی روایت سے دھوکہ دے کر لوگوں کا بابرکت مہینے میں عبادت سے مت روکو وقت تا قیامت ہے ہم بحوالہ جواب کے منتظر رہیں گے ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بیس رکعات نماز تراویح پڑھنا متعدد حوالہ جات کے ساتھ ثابت کر دیا ہے الحمد للہ۔

بیس رکعت تراویح پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا تھا

محترم قارئینِ کرام: غیر مقلدین کے شیخ الکل جناب نذیر حسین دہلوی کے فتاویٰ نذیریہ میں ہے: بیس (20) رکعات نماز تراویح پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا اور یہ اجماع صحابہ رضی عنہم کا ہے۔ بیس رکعت تراویح اس حدیث سے ثابت ہیں

ترجمہ: یزید بن رومان سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں تیئیس رکعت (بیس تراویح اور تین وتر) پڑھتے تھے۔۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد نمبر 1 صفحہ 634)

کیا کہتے ہیں منکرین بیس رکعات تراویح اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کو مانیں یا غیر مقلدین کی مانیں؟

بیس (20) رکعات نماز تراویح پر علمائے امت کا اجماع ہے

محترم قارئینِ کرام: امام ترمذی رحمۃ ؟ کا ارشاد: ترمذی شریف میں بابُ مَاجَاءَ فِی قِیَامِ شَھرِ رَمَضان کے تحت امام ترمذی رحمۃ نے قیام رمضان یعنی تراویح کے باب میں احادیث پیش کرتے ہوئے فرمایا ''واختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ وأکثر أھلِ العِلمِ عَلٰی مَا رُوِیَ عَن عَلِیٍّ وَ عُمَرَ وَغَیرِھِمَا مِن أصحابِ النبیِّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عِشرِینَ رَکعَۃً وَ ھُوَ قَولُ الثَّورِیِّ وَ ابنِ المُبَارَکِ و الشَّافِعِیِّ وقَالَ الشَّافِعِیُّ وَ ھٰکَذا أدرَکتُ بِبَلَدِنَا مَکَّۃَ یُصَلُّونَ عِشرِینَ رَکعَۃً۔ (ترمذی صفحہ 104)

ترجمہ: تراویح میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، بعض وتر سمیت اکتالیس رکعت کے قائل ہیں، اہلِ مدینہ کا یہی قول ہے اور ان کے یہاں مدینہ طیبہ میں اسی پر عمل ہے، اور اکثر اہلِ علم بیس رکعت کے قائل ہیں، جو حضرت علی، حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ کا یہی قول ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعات ہی پڑھتے پایا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کا فتویٰ: علامہ ابن تیمیہ رقمطراز ہیں قَد ثَبَتَ أَنَّ أُبَيَّ بنَ کَعبٍ رضی اللہ عنہ کانَ یَقُومُ بِالنَّاسِ عِشرِینَ رَکعَۃً فِی قِیَامِ رَمَضَانَ یُوتِرُ بِثَلاثٍ فَرَأی کَثِیرٌ مِنَ العُلَمَاءِ أنَّ ذَلِکَ ھُوَ السُّنَّۃُ لأنَّہُ أقَامَہُ بَینَ المُھَاجِرِینَ وَالأنصَارِ وَلَم یُنکِرہُ مُنکِرٌ۔

ترجمہ: علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ (صحابی) لوگوں کو قیام

رمضان (نماز تراویح) کے بیس (20) رکعات پڑھاتے اور وتر تین رکعات پڑھاتے تھے، کثرت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ بیس رکعات ہی سنت ہیں کیوں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کرام اور انصار صحابہ کے درمیان بیس (20) رکعات تراویح پڑھائی اور ان میں سے کسی نے بھی اسکا انکار نہیں کیا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص112 ج23)

علامہ ابن تیمیہ مزید لکھتے ہیں: اگر کوئی نماز تراویح امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد رحمہم اللہ کے مسلک کے مطابق بیس رکعت یا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے مطابق چھتیس رکعات ادا کرے یا گیارہ رکعت ادا کرے تو اس نے اچھا کیا، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدم توقیف کی بنا پر تصریح کی ہے، تو رکعات کی کمی اور زیادتی قیام لمبا یا چھوٹا ہونے کے اعتبار سے ہوگی۔ (الاختیارات 64، چشتی)

غنیۃ الطالبین میں ہے: وَصَلَاةُ التَّرَاوِيحِ سُنَّةُ النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم، وَهِيَ عِشْرُونَ رَكْعَةً يَجْلِسُ عَقِبَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُسَلِّمُ۔

ترجمہ: نماز تراویح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنت ہے اور یہ بیس رکعات ہے ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ 567)

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب کے مایہ ناز شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے امام صاحب سے دریافت کیا۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بیس رکعات کے بارے میں کوئی بات معلوم تھی۔ امام صاحب نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بدعت کو ایجاد کرنے والے نہ تھے (یعنی بلا شبہ حضرت عمر کو بیس رکعت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے کوئی بات ضرور معلوم تھی ورنہ وہ اپنی طرف سے بیس کی تعین نہ کر دیتے)۔ (فیض الباری شرح بخاری، العرف الشذی، بحر الرائق، طحاوی)

آثار امام ابو یوسف میں ہے۔ یوسف اپنے والد امام ابو یوسف سے وہ امام ابوحنیفہ سے وہ حماد سے وہ ابراہیم نخعی رحمہم اللہ سے وایت کرتے ہیں کہ لوگ (صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم) رمضان میں پانچ ترویحات پڑھتے تھے (واضح ہو ہر ترویحہ چار رکعت کا ہوتا ہے، اس طرح پانچ ترویحات، بیس رکعتیں ہوگئیں)

امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ امام سرخسی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''مبسوط'' جو کہ امام محمد رحمہ اللہ علیہ کی ظاہر الروایات پر مشتمل ہے۔ میں فرماتے ہیں۔

تراویح ہمارے نزدیک وتر کے علاوہ بیس رکعتیں ہیں اور مام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سنت اس میں چھتیس رکعتیں ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جو شخص امام مالک کے قول اور مسلک پر عمل کرنا چاہے، اسے مناسب ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے بیان کے مطابق عمل کرے۔ یعنی جماعت کے ساتھ بیس رکعتیں پڑھے کیونکہ یہی سنت ہے، پھر (16 رکعتیں) تنہا پڑھے، ہر چار رکعات میں دو سلام ہوں (یعنی دو دو رکعتیں کر کے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ کل کی کل 36 رکعتیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (کتاب المبسوط جلد 2)

ملک العلماء علامہ علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: تراویح کی مقدار بیس رکعات ہے دس سلاموں سے، پانچ ترویحات میں، ہر دو سلام میں ایک ترویحہ ہوگا، یہی عالم علماء کا قول ہے۔ اور امام مالک نے ایک قول میں چھتیس رکعات اور ایک قول میں چھبیس رکعات بیان فرمائی ہے۔ اور صحیح عام علماء کا ہی قول ہے اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے حضرت عمر نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو رمضان المبارک میں حضرت ابی بن کعب کی امامت میں جمع کیا، پس انہوں نے ان کو ہر رات میں بیس رکعتیں پڑھائیں

اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ پس صحابہ کرام کی طرف سے بیس رکعات پر اجماع ہوگیا۔ (بدائع الصنائع جلد 1، چشتی)

علامہ برہان الدین مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی نے بھی بیس رکعات تراویح کو سنت قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ سے بیس رکعات تراویح کا مسنون ہونا روایت کیا ہے۔ والاصح انھا سنۃ کذا روی الحسن عن ابی حنیفہ۔ (ہدایہ ج 1 ص 151)

علامہ ابن رشد قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر کے علاوہ بیس (20) رکعات تراویح سنت ہے۔ (بدایۃ المجتہد)

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: تراویح کی بیس (20) رکعات سنت موکدہ ہے، سب سے پہلے اس سنت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ادا فرمایا۔ (کتاب المغنی)

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ تراویح کی رکعات کے متعلق ہمارا (شوافع) کا مسلک وتر کے علاوہ بیس (20) رکعات کا ہے، دس سلاموں کے ساتھ، اور بیس (20) رکعات پانچ ترویحات ہیں اور ایک ترویحہ چار (4) رکعات کا دو سلاموں کے ساتھ، یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بیس (20) رکعات تراویح کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ (المجموع)

جب کبار صحابہ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم بیس (20) رکعات تراویح پر متفق ہوگئے، تو اس سے بڑھ کر کونسی قوی ترین دلیل ہوسکتی ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اقوال و افعال کو سب سے زیادہ جاننے والے وہی حضرات تھے۔ جب انھوں نے بیس (20) رکعات کے علاوہ کے قول و عمل کو ترک کیا تو معلوم ہوا کہ بیس (20) رکعات کے سلسلہ میں ان کے پاس قوی ترین ثبوت موجود تھا اور اہل حدیث حضرات جو آٹھ (8) رکعات تراویح کہتے ہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ تہجد اور تراویح میں فرق نہیں کرتے، حالانکہ تہجد اور تراویح میں بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد پوری رات پڑھنے کی نفی کرتی ہیں جب کہ تراویح سحری تک پڑھی گئی ہے۔

امام سرخسی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: ہمارے ہاں وتر کے علاوہ بیس رکعات ہیں۔ (المبسوط 2/145)

اور ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں ابوعبداللہ (یعنی امام احمد) رحمہ اللہ تعالی کے ہاں بیس رکعت ہی مختار ہیں، امام ثوری، ابوحنیفہ، امام شافعی، کا بھی یہی کہنا ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ چھتیس رکعت ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی 1/457)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: علماء کرام کے اجماع میں نماز تراویح سنت ہیں، اور ہمارے مذہب میں یہ دس سلام کے ساتھ دو دو رکعت کر کے بیس رکعات ہیں، ان کی ادائیگی باجماعت اور انفرادی دونوں صورتوں میں ہی جائز ہیں۔ (المجموع للنووی 4/31)

قاضی ابوالولید ابن رشد مالکی (متوفی 595ھ) بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں: واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بھا الناس فی رمضان فاختار مالک فی احد قولیہ وابوحنیفۃ والشافعی واحمد وداود القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر، وذکر ابن القاسم عن مالک انہ کان یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر

ثلاث۔ ''رمضان میں کتنی رکعات پڑھنا مختار ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے ایک قول میں اور امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد رحمہم اللہ اور داو؟ د رحمہ اللہ نے وتر کے علاوہ بیس رکعات کو اختیار کیا ہے، اور ابنِ قاسم رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ تین وتر اور چھتیس رکعات تراویح کو پسند فرماتے تھے۔ (بدایۃ المجتہد ص 156، مکتبہ علمیہ لاہور، چشتی) مختصر خلیل کے شارح علامہ شیخ احمد الدردیر المالکی (متوفی 1201ھ) لکھتے ہیں: وھی (ثلاث وعشرون) رکعۃ بالشفع والوتر کما کان علیہ العمل (ای عمل الصحابۃ والتابعین، الدسوقی)۔ (ثم جعلت) فی زمن عمر بن عبدالعزیز (ستا وثلاثین) بغیر الشفع والوتر لکن الذی جری علیہ العمل سلفاً وخلفاً الأول۔

ترجمہ: اور تراویح، وتر سمیت 23 رکعتیں ہیں، جیسا کہ اسی کے مطابق (صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا) عمل تھا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وتر کے علاوہ چھتیس کردی گئیں، لیکن جس تعداد پر سلف وخلف کا عمل ہمیشہ جاری رہا وہ اوّل ہے (یعنی بیس تراویح اور تین وتر)۔ (شرح الکبیر الدردیر مع حاشیۃ الدسوقی صفحہ نمبر 315)

امام محی الدین نووی رحمہ اللہ (متوفی 676ھ) المجموع شرح مہذب میں لکھتے ہیں (فرع) فی مذاھب العلماء فی عدد رکعات التراویح مذھبنا انھا عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات غیر الوتر وذالک خمس ترویحات والترویحۃ اربع رکعات بتسلیمتین ھذا مذھبنا وبہ قال ابوحنیفۃ واصحابہ واحمد وداو؟ د وغیرھم ونقلہ القاضی عیاض عن جمھور العلماء وحکی ان الأسود بن یزید رضی اللہ عنہ کان یقوم بأربعین رکعۃ یوتر بسبع وقال مالک التراویح تسع ترویحات وھی ستۃ وثلاثون رکعۃ غیر الوتر۔

ترجمہ: رکعاتِ تراویح کی تعداد میں علماء کے مذاہب کا بیان، ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں، دس سلاموں کے ساتھ، علاوہ وتر کے۔ یہ پانچ ترویحے ہوئے، ایک ترویحہ چار رکعات کا دو سلاموں کے ساتھ۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب، امام احمد رحمہ اللہ اور امام داو؟ د رحمہ اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اسے جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ نقل کیا گیا ہے کہ اسود بن یزید اکتالیس تراویح اور سات وتر پڑھا کرتے تھے، اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تراویح نو ترویحے ہیں، اور یہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہوئیں۔ (مجموع شرح مہذب جلد 4 صفحہ 32، چشتی)

حافظ ابنِ قدامہ المقدسی الحنبلی (متوفی 620ھ) المغنی میں لکھتے ہیں: والمختار عند ابی عبداللہ رحمہ اللہ فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری وابوحنیفۃ والشافعی، وقال مالک ستۃ وثلاثون۔ ''امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تراویح میں بیس رکعتیں مختار ہیں۔ امام ثوری، ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ چھتیس کے قائل ہیں۔ (مغنی ابنِ قدامہ ج ص 798، 799، مع الشرح الکبیر)

تراویح کی ابتدا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ہوئی، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس اندیشہ سے کہ یہ فرض نہ ہوجائیں تین دن سے زیادہ جماعت نہیں کرائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرداً فرداً پڑھا کرتے تھے اور کبھی دو دو، چار چار آدمی جماعت کرلیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے عام جماعت کا رواج ہوا، اور اس وقت سے تراویح کی بیس ہی رکعات چلی آرہی ہیں، اور بیس رکعات ہی سنتِ مکدہ ہیں۔ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دن کی عبادت روزہ ہے اور رات کی عبادت تراویح، اور حدیث شریف میں دونوں کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد

ہجعل اللہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلہ تطوعًا اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک کے روزے کو فرض کیا ہے اور اس میں رات کے قیام کو نفلی عبادت بنایا ہے۔ (مشکوٰۃ صفحہ 173، چشتی) اس لیے دونوں عبادتیں کرنا ضروری ہیں، روزہ فرض ہے، اور تراویح سنتِ موئی کدہ ہے۔ تہجد الگ نماز ہے، جو کہ رمضان اور غیرِ رمضان دونوں میں مسنون ہے، تراویح صرف رمضان مبارک کی عبادت ہے، تہجد اور تراویح کو ایک نماز نہیں کہا جا سکتا، تہجد کی رکعات چار سے بارہ تک ہیں، درمیانہ درجہ آٹھ رکعات ہیں، اس لیے آٹھ رکعتوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ جو شخص روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ بھی تراویح پڑھے۔ جو شخص بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا، اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، تندرست ہونے کے بعد روزوں کی قضا رکھ لے، اور اگر بیماری ایسی ہو کہ اس سے اچھا ہونے کی اُمید نہیں، تو ہر روزے کے بدلے صدقہ فطر کی مقدار فدیہ دے دیا کرے، اور تراویح پڑھنے کی طاقت رکھتا ہو تو اسے تراویح ضرور پڑھنی چاہیے، تراویح مستقل عبادت ہے، یہ نہیں کہ جو روزہ رکھے وہی تراویح پڑھے۔ رمضان شریف میں مسجد میں تراویح کی نماز ہونا سنتِ کفایہ ہے، اگر کوئی مسجد تراویح کی جماعت سے خالی رہے گی تو سارے محلے والے گناہگار ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کا اہتمام نہیں تھا، بلکہ لوگ تنہا یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے، سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک امام پر جمع کیا۔ (صحیح بخاری صفحہ 269 باب فضل من قام رمضان)۔ اور یہ خلافتِ فاروقی رضی اللہ عنہ کے دُوسرے سال یعنی 14ھ کا واقعہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 121، تاریخ ابنِ اثیر ج ص189)۔

تعزیت نامہ

وارث خلق عظیم

یک بہ یک بزم تمنا منتشر ہو جائے گی
کیا خبر تھی دل کی بستی بھی کھنڈر ہو جائے گی

اخلاق ومحبت کے پیکر بے مثال، خلق عظیم کی وراثت کو دامن میں سمیٹے، تقویٰ وطہارت، عبادت وریاضت کے خزانے لئے ہوئے عظیم المرتبت الحاج سید عظیم الباقی جعفری مداری نے 19رفروری 2023ء کو اس دارفانی سے پردہ فرمالیا۔

ہم نے ایک ایسی عظیم شخصیت کو کھودیا جس نے تا عمر اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موتی لٹائے، پریشاں حال کی پریشانیاں دور کرنا، غمزدہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دینا اور اپنے رب کی رضا کیلئے اپنے کو وقف کردینا ان کا مقصد حیات تھا۔

ہم نہایت رنجیدہ دل کے ساتھ مرشد کامل، قطب زماں حضرت الحاج سید عظیم الباقی جعفری مداری کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

مقتدار حسین جعفری مداری

ایک اہم مسئلہ اور اس کا مستحکم جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں زید اور بکر باپ بیٹے ہیں بکر کا باپ زید ہے ہندہ ایک کافرہ لڑکی ہے بکر کے باپ زید نے ہندہ کے ساتھ بوس وکنار کیا، اس کے کچھ عرصہ بعد ہندہ ایمان لے آئی اور مسلمان بن گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں، حکم شرع بیان کر کے مشکور فرمائیں۔

محمد حسان مداری

سہرسہ، بہار

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مستفسرہ میں اگر زید نے کافرہ لڑکی ہندہ سے شہوت کے ساتھ بوس وکنار کیا تھا تو بکر، جو زید کا لڑکا ہے؛ اس کا نکاح ہندہ سے نہیں ہوسکتا اور اگر شہوت کے ساتھ بوس وکنار نہیں کیا تھا تو نکاح ہوسکتا ہے، مذکورہ بالا مسئلہ حرمت مصاہرت سے متعلق ہے اور حرمت مصاہرت جس طرح نکاح سے ثابت ہوجاتی ہے اسی طرح زنا اور شرائط معتبرہ کے ساتھ دواعی زنا ومقدمات زنا یعنی شہوت کے ساتھ چھونے اور دیکھنے سے بھی ثابت ہوجاتی ہے، حرمت مصاہرت کے ثبوت کی اصل علت وہ وطی ہے جو ولادت اور جزئیت کا سبب ہو، ظاہر ہے کہ جس طرح وطی حلال ولادت کا سبب ہے اسی طرح وطی حرام بھی ولادت کا سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر عقد فاسد میں دخول ہوجائے تو اس سے بالاتفاق حرمت ثابت ہوجاتی ہے، جبکہ وہ بھی وطی حرام ہے اور شہوت کے ساتھ چھونا اور عورت کے فرج داخل کو دیکھنا یہ اس وطی کی طرف دواعی ہے جو وطی ولادت کا سبب ہے، اس لئے مقام احتیاط میں مس بالشہوت اور نظر بالشہوت کو وطی کے قائم مقام کردیا گیا ہے، لہٰذا کفر اور عدم کفر سے علت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ جہاں جہاں علت پائی جائے گی وہاں وہاں حکم یعنی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی، جیسا کہ کوئی شخص اپنی مجوسی باندی سے وطر کرلے تو بالاتفاق اس وطی سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی جب کوئی مرد کسی کافرہ لڑکی سے شہوت کے ساتھ بوس وکنار کرے گا، تو یہاں حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِيْلًا".

(النساء : ۲۲)

ترجمہ: مت نکاح کرو تم ان سے جن سے نکاح کیا تمہارے باپ دادا نانا نے عورتوں میں سے مگر جو گزر گیا ہے، بے شک وہ ہے بے حیائی اور غضب کی دعوت دینے والا کام اور بہت برا راستہ ہے۔ (بصیرۃ الایمان، ص196)

اس آیت میں نکاح کے حقیقی معنی وطی کے ہیں اور مجازی معنی عقد نکاح کے ہیں جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

ولاتکونو ا مانکح آباء کم من النساء (نساء : ۲۲) بناء علی ان المرأة بالنکاح الوطی، اما لأنه الحقیقة ا للغویة او مجاز یجب الحمل علیه بقرینة قوله تعالی: انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلا" وانا الفاحشة الوطی لانفس العقد ..وقد روی اصحابنا احادیث کثیرة منها قال رجل یا رسول الله انی زنیت بامراة فی الجاهلیةأفا نکح ابنتها ؟ قال لاأری ذلک ولایصلح أن تنکح امرأة تطلع من ابنتها علی ماتطلع منها، وهو مرسل ومنقطع".

(فتح القدیر ج: ۳ ص: ۲۱۲/ کتاب النکاح ، دارالکتب العلمیة بیروت)

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

"ولنا ان الوطی سبب الجزئیة بواسطة الولد حتی بضاف الی کل واحد منهما کما فیصیر اصولها وفروعها کاصوله وفروعه، وکذلک علی العکس ولنا ان المس والنظر سبب داع الی الوطی فیقام مقامه فی موضع الاحتیاط ثم ان المس بشهوة ان ینتشر الآلة وتزداد انتشار ا هو الصحیح الخ......"

(هدایه، ج: ۲، ص: 209، کتاب النکاح ، فصل فی بیان المحرمات ، دارالکتب العلمیة بیروت)

ردالمختار میں ہے:

"قوله الصحیح احتراز عن النکاح فانه لایوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطی او مایقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة...... فلومس بغیر شهوة اشتهی عن ذلک المس لاتحرم علیه اه ، وکذلک فی النظر کما فی البحر فلو اشتهی بعد غض بصره لاتحرم".

(ردالمختار ، ج:4، ص: 108، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات ، مخلصا ، دار عالم الکتب ریاض)

مبسوط میں ہے:

"فنقول کما تثبت حرمة المصاهرة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل عن شهوة عندنا سواء کان فی الملک أو فی غیر الملک...... ولان المس والتقبیل سبب یتوصل به الی الوطی فانه من دواعیة ومقدماته فیقام مقامه فی اثبات الحرمة الا فیما استثناه الشرع وهی الربیبة......ملخصا"

(المبسوط للسرخی ج: 4: ص: 204/ کتاب النکاح ، درالمعرة بیروت)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وکما تثبت هذه الحرمة بالوطی تثبت بالمس والتقبیل...... بالشهوة".

(فتاویٰ هندیه، ج ۱، ص: 274/ کتاب النکاح ، الباب الثالث، القسم الثانی ، دارالکتب العلمیة بیروت)

مجوسیہ سے وطی کی صورت میں حرمت مصاہرت کا ثبوت متفق علیہ ہے جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

اما لوطی المنکوحة نکاحا فاسداً أو المشتراه فاسدا أوالجارية المشتركة او المكاتبة اوالمظاهرة منا أو الامة المجوسية أو زوجته الحائض اوالنفساء او كان محرما او صائما فانه يثبت حرمة المصاهرة اتفاقا، وبه علم ان الاعتبار لعين الوطنى لالكونه حلالا اوحراما".

(البحر الرائق ج: 3، ص: 174، كتاب النكاح ، فصل في المحرمات ، دارالكتب العلمية بيروت)

اسی طرح علامہ عبدالحی لکھنوی عمدۃ الرعایہ میں "فرع مزنية" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"فان وطی الامة المشتركة وأمة المجوسية والحائض والنفساء وطی المحرم والصائم كله حرام وتثبت به حرمة المصاهرة ، بالجملة المعتبر فی ثبوتها هوذات الوطی مع قطع النظر عن كونه حلالا اوحراما كذافی فتح القدير وغيره ، وهو توجيه مستحكم لايهجر الالورود نص صريح صحيح يدل علی خلافه".

(عمدة الرعاية على شرح وقايه، ج:3، ص: 34، كتاب النكاح، باب المحرمات ، دارالكتب العلمية بيروت)

حاصل یہ ہے کہ جس طرح حالت کفر میں رضاعت اور زنا سے حرمت مصاہرت کو اسلام میں برقرار رکھا گیا ہے، جیسا کہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرات رضاعی بھائی بھائی ہیں، حضرت علی رضی الہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امامہ سے شادی کر لینے کی ترغیب دی تھی، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا حمزہؓ میرے رضائی بھائی تھے، ٹھیک اسی طرح مس بالشہوۃ اور نظر بالشہوۃ سے بھی خواہ بہ حالت کفر ہو یا بہ حالت ایمان حرمت مصاہرت کا ثبوت ہو جائے گا، لہٰذا زید نے اگر ہندہ سے شہوت کے ساتھ بوس وکنار کیا تو زید کے اصول فروع ہندہ پر اور ہندہ کے اصول فروع زید پر حرام ہو جائیں گے۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبـــــــہ:

محمد ندیم مصباحی مداری عفی عنہ

۱۰ رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

الجواب صحیح:

خوشنود خان مداری عفا اللہ عنہ

صدر المدرسین مدرسہ مدار العلوم گوند پور و ناظم اعلیٰ دار الافتاء مداریہ

ولی کامل

بابا فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ رحمۃ اللہ

ارشاد احمد بنارسی

وہ تین دن کے روزے سے تھے۔ گھر میں افطاری کے لیے کچھ نہ تھا اور کسی سے مانگ کر روزہ افطار کرنے کے لیے بھی وہ تیار نہ تھے۔ انہیں توقع تھی کہ اللہ کی طرف سے ''مائدہ آسمانی'' پہنچے گا۔ طبیعت پر نقاہت کا غلبہ ہونے لگا تو اٹھے اور مرشد حق آگاہ کی ملاقات کے لیے چل پڑے۔ انہیں امید تھی حق آشنا شیخ کے چہرے کی زیارت فرحت و انبساط کی کیفیت طاری کردے گی۔ طبیعت میں افسردگی اور نقاہت خود بخود ختم ہوجائے گی۔ تھوڑی دیر پہلے بارش نے گلیوں اور بازاروں میں کیچڑ بھر دیا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے چلنے لگے۔ کپڑوں کو کیچڑ سے بچاتے، سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے فاصلہ طے کررہے تھے۔ پوری احتیاط کے باوجود پاؤں ایسی جگہ پڑا جہاں پھسلن کچھ زیادہ تھی۔ پاؤں پھسلا تو توازن برقرار رکھنا مشکل ہوگیا۔ جسم پہلے ہی سے لاغر تھا دھڑام سے گرے اور گرتے چلے گئے۔

کیچڑ نے کپڑوں کا حلیہ بگاڑ دیا، ہاتھ اور پاؤں بھی لتھڑ گئے۔ منہ میں بھی کیچڑ چلی گئی۔ وہ اٹھے تو ان کا دل بارگاہ خداوندی میں سجدۂ شکر لانے کے لیے بے قرار تھا۔ کیچڑ ان کے منہ میں جا کر شکر بن گئی تھی۔ وہ اٹھے اور واپس ہونے کے بجائے انہی کپڑوں میں آگے چل پڑے۔ شیخ کے ہاں اسی حلیے میں پہنچے اور سارا واقعہ عرض کیا تو شیخ نے فرمایا گویا آپ گنج شکر (شکر کا خزانہ) ہیں۔ درحقیقت بابا فرید الدین مسعودؒ کی ساری زندگی محبت کی شیرینی اور پیار کی حلاوت عام کرنے میں گزری۔ اسی لیے مسعود گنج شکرؒ (عرف عام میں شکر گنج) کے لقب سے شہرت دوام حاصل ہوئی۔

وہ رات کے وقت چوری کی نیت سے اس گھر میں داخل ہوا۔ وہ ایک عادی چور تھا۔ ہندو دھرم سے تعلق رکھتا تھا۔ ساری زندگی جرائم سے عبارت تھی۔ اسے بہت سامان ملنے کی توقع تھی۔ کیونکہ یہ گاؤں کا ذی حیثیت گھرانہ تھا جو علاقے بھر میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ اس کے مکینوں کو اچھی طرح سے جانتا تو نہ تھا مگر چرچے ضرور سنے تھے کہ ہندو مسلم اس گھرانے کی عزت کرتے ہیں۔

جس گھر کے دروازے پر بیسیوں افراد حاضر رہتے ہوں وہاں اتنا مال و دولت یقیناً ہوگا جو اسے خوشحالی سے ہمکنار کردے۔ یہی سوچ کر اس نے یہ گھر تاکا تھا۔ اب رات ڈھلنے لگی تھی۔ گلیوں کے کتوں کونوں کھدروں میں دبک گئے تھے۔ سارے گاؤں پر سکوت تھا۔ اسے کسی قسم کا خطرہ نہ تھا۔ وہ دبے پاؤں مکان میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خاتون جانماز بچھائے عبادت میں مصروف ہیں۔ خشوع وخضوع کا یہ عالم ایک اجنبی کی آمد پر آنکھ تک نہیں جھپکی، وہ پورے سکون واطمینان کے

ساتھ عبادت میں مصروف ہیں۔

چور کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ حیران کن اور اثر انگیز ایک خاتون خانہ کا یہ انہماک اور اندازِ جرأت کہ گھر میں چور گھس آیا ہے، جو جان کے درپے ہوسکتا ہے مگر وہ شب خیزی کے مزے لوٹ رہی ہیں اور پرواہ تک نہیں۔

چور یہ سب کچھ دیکھ کر مرعوب ہوگیا۔ وہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ اس کی بینائی جاتی رہی، وہ ادھر سے ادھر جاتا، مگر باہر نکلنے کی راہ نہ پاتا۔ وہ جان گیا کہ اس گھر کی حفاظت معبودِ حقیقی نے لے رکھی ہے جس کی عبادت میں یہ خاتون اس خشوع و خضوع سے مصروف ہیں۔ عاجز آ کر گریہ وزاری کرنے لگا۔ خاتون عبادت سے فارغ ہوکر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ چور نے پورے خلوص کے ساتھ آئندہ چوری نہ کرنے کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کی تاکہ اس کی بینائی لوٹ آئے۔

خاتون نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے تو انہیں مایوسی نہ ہوئی۔ اس شخص کو نہ صرف آنکھوں کی بینائی مل گئی بلکہ دل کی بینائی سے بھی محروم نہ رہا۔

دوسری صبح اس واقعہ کی اطلاع لوگوں کو اس وقت ہوئی جب وہی شخص اس نیک خاتون کے دروازے پر مسلمان ہونے اور گناہوں سے توبہ کرنے کا عزم لے کر آیا اور لوگوں کو خود ہی رات کے واقعہ سے آگاہ کیا۔ یہ شخص بعد میں شیخ عبداللہ کے نام سے لوگوں میں مشہور ہوا۔

یہ خاتون قصبہ کھتوال کے عالم دین جمال الدین سلیمانؒ کی زوجہ اور بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی والدہ مریم بی بی تھیں۔

مریم بی بی ایک تہجد گزار اور خدا ترس خاتون تھیں۔ علاقے بھر میں ان کی قبولیت دعا کے چرچے تھے۔ بابا فرید ۵۶۹ھ میں اسی پاکباز خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے۔

آپ کا خاندان سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں ملتان آیا اور قریبی قصبہ کھتوال میں مقیم ہوا۔ جمال الدین سلیمانؒ علاقہ کے علماء میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اس لیے ملتان کے قاضی مقرر ہوئے۔ نہ صرف ان کی دینی حیثیت مسلم تھی بلکہ دنیاداری کے معاملات میں بھی ان کی رائے کو خاص اہمیت دی جاتی۔ فرید ان کے ہاں پیدا ہوئے تو ان کا نام فریدالدین مسعود رکھا گیا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور ملتان میں مولانا منہاج الدین کے مدرسے میں داخل ہوگئے۔ طالب علمی کے دور میں نیکی اور پارسائی کی طرف رغبت تھی۔ چنانچہ مولانا منہاج الدین کے شاگردوں میں آپ کو احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا۔ انہی دنوں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ملتان تشریف لائے۔ معمول کے مطابق ان کا قیام مولانا منہاج الدین کے دارالعلوم میں تھا۔ دوسرے طالب علموں کے ساتھ بابا فریدؒ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فقہ کی ایک کتاب ''المنافع'' ان کے ہاتھ میں تھی۔ حضرت خواجہ نے پوچھا۔

''نوجوان! یہ کون سی کتاب ہے؟'' عرض کیا: ''نافع'' ہے۔ ارشاد ہوا انشاء اللہ نفع بخش ہوگی۔ اس گفتگو نے بابا فریدؒ اور خواجہ قطب الدین کے درمیان ایک ذہنی رشتہ قائم کردیا۔ پہلی ملاقات عمر بھر کی رفاقت کا سبب بن گئی۔ جب قطب الدین عازم دہلی ہوئے تو فریدالدین مسعود بھی ساتھ ہو لئے۔ ملتان سے چند میل دور جا کر خواجہ قطب الدین نے ارشاد فرمایا۔ مسعود! علم کی تکمیل کرو، پھر میرے پاس چلے آنا، منازل سلوک بھی طے کرادوں گا۔ آپ یہاں خواجہ قطب الدین سے بیعت ہوئے اور واپس ملتان آنے کے بجائے قندھار چلے گئے۔ کچھ عرصہ غزنی میں رہے جہاں علوم متداولہ پر دسترس حاصل کی۔ فنی علوم کے علاوہ، فقہ، حدیث اور تفسیر میں بھی کمال حاصل کیا اور فارغ التحصیل ہوکر دہلی آئے اور مرشد کی خدمت میں حاضری دی، کچھ

دن خانقاہ میں رہے تو مرشد نے اندازہ لگایا کہ طبیعت ترک وتجدید کی طرف مائل ہے۔ اس لئے غزنی دروازے کے پاس آپ کے قیام کا بندوبست کیا، آپ وہاں ریاضت ومجاہدے میں مصروف ہوگئے۔ جوں جوں آپ کی شہرت ہوتی گئی۔ خلوتیں سکڑتی گئیں۔ چنانچہ شیخ سے اجازت لے کر ہانسی چلے آئے۔ تاکہ تنہائی میں رہ کر کائنات کی عظیم وسعت میں پوشیدہ اسرار ورموز پرغور کرسکیں۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی سے رخصت کرتے وقت فرمایا۔ ہمارے مشائخ کی جلوت ہی خلوت ہوتی ہے۔ یہاں آکر شیخ کے ارشاد کی حقیقت واضح ہوتی ہے اس دور دراز علاقے میں بھی ہجوم خلق بڑھنے لگا اور ایک وقت ایسا آیا کہ رات گئے تک خلق خدا کا ہجوم بڑھنے لگا۔ آپ بھی یہ سوچ کر چپ ہو رہے کہ خلق خدا کا قرب خالق حقیقی کی بارگاہ میں قبولیتِ اعمال کی دلیل ہے۔

آپ مشائخ سلسلہ کے طریقے کے مطابق لوگوں کے دلوں میں محبت الٰہی اور عرفان محبت کی جوت جگا رہے تھے کہ اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات کے صدمے سے دو چار ہوگئے۔ فوراً دہلی پہنچے جہاں حمید الدین ناگوری کے ذریعے مرشد کا خرقۂ خلافت ملا اور آپ نے اپنے مرشد کے خلیفہ قرار پائے۔ جس زمانے میں آپ اپنے مرشد کے ہاں فقر وسلوک کی منزلیں طے کر رہے تھے، خواجہ معین الدین اجمیری دہلی تشریف لائے۔ خواجہ قطب الدینؒ کے دوسرے مریدوں کی طرح بابا فرید بھی حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے ہاں حاضر ہوئے۔ آپ کی جبین سعادت دیکھ کر خواجہ اجمیریؒ نے اپنے مرید خاص قطب الدین بختیار کاکیؒ سے فرمایا:

قطب الدین! تم نے ایک شہباز پھنسالیا ہے جس کا آشیانہ سدرۃ المنتہٰی سے نیچے نہیں۔

یہی وجہ تھی کہ خواجہ قطب الدینؒ نے اپنے خرقۂ خلافت کا مستحق آپ کو سمجھا۔ سلسلۂ تصوف میں اپنے مرشد کی طرف سے خرقۂ خلافت کا ملنا بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ دراصل خانقاہی نظام اس وقت تک کامیابی سے چلتا رہا۔ جب تک یہاں ذمہ داری اور آخرت کی جوابدہی کا احساس غالب رہا۔ صوفیا کے جماعت خانے ایسی روحانی تربیت گاہیں تھیں۔ جہاں قلب وروح کی بیماریوں کا علاج کیا جاتا اور خداترسی، انسان دوستی، فکر آخرت ایسی صفات پیدا کی جاتی تھیں۔ صوفیا کے جماعت خانے ایک ایسے کنبے کا نقشہ پیش کرتے جہاں مشائخ اور مریدین فقر و درویشی کی زندگی بسر کرتے، چند کپڑے، تسبیح ومصلی، کھانے پینے کے چند برتن شریعت وطریقت کے مسائل پر چند کتابیں ان جماعت خانوں کی کل کائنات تھی۔ جس سے تمام فقراء استفادہ کرتے، مگر حق ملکیت کسی کو بھی حاصل نہ تھا۔ کھانے پینے کے اخراجات محنت مزدوری کر کے پورے کیے جاتے۔ حضرت بابا فرید الدین مسعودؒ کے جماعت خانے میں بیسیوں فقراء کا قیام تھا۔ شیخ سمیت تمام لوگ جماعت خانے کی مختلف ضروریات پوری کرنے پر مامور تھے۔ جنگل سے لکڑیاں چن کر لانا، برتن صاف کرنا، پانی گرم کرنا، پیلو اور ڈیلے جنگل سے لانا جن سے قوت لایموت کا بندوبست ہوتا۔

یہ سب کام مل جل کر کیے جاتے جو غذا عام فقرا کی تھی اس سے بھی بہت کم شیخ کو میسر آتی۔ یہ جماعت خانے علم وفضل، طہارت وپاکیزگی کے مراکز تھے۔ یہاں اخلاقی تعلیم دی جاتی۔ علم اور عمل شانہ بشانہ چلتے، اس لیے بحث ومناظرہ کے بجائے افہام وتفہیم کی فضا رہتی۔ قیل وقال پر وجد وحال کو ترجیح حاصل تھی۔ علم رسائی کا ذریعہ سمجھا جاتا۔ حجاب اکبر نہیں، کسب حلال کی جدوجہد بندگان خدا سے حسن معاملت اور کردار کی پختگی وپاکیزگی ایسی خوبیاں پیدا کرنے کے لئے فقرا کو خانقاہوں میں کئی کئی سال تک رہنا پڑتا۔

خلافت ان لوگوں کو ملتی جو علم عشق اور عقل کی دولت سے سرفراز ہوتے۔ مشائخ ان تینوں صلاحیتوں کو صیقل کرتے یہ پیدا کرنے کے لیے مشائخ زبان سے نہیں عمل سے کام لیتے۔ مشائخ وصوفیا دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بھی مہر ومحبت، خلوص ومروت، ہمدردی ورواداری کا سلوک کرتے، دراصل یہ لوگ انسانوں کو رشتۂ الفت میں پرونے کا مشن لے کر چلتے اور اس کا ثبوت اپنے عمل سے پیش کرتے۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں ایک شخص نے قینچی پیش کی۔ آپ نے فرمایا ''مجھے قینچی نہیں سوئی دو، میں کاٹتا نہیں جوڑتا ہوں''۔

المختصر اللہ کے یہ بندے زبان سے کسی اصول کی تبلیغ کو اس وقت تک بے سود سمجھتے جب تک عمل سے اس کی شہادت پیش نہ کرتے، عمل میں جو جاذبیت ہے اس کا گہرا اثر ہندوستان کے چپے چپے پر پھیلی ہوئی ان داستانوں میں ملتا ہے۔ مشائخ کی عملی زندگی سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے والے قبائل اور گروہوں میں جن کا چرچا ہے۔

بابا فریدؒ کو خرقۂ خلافت ملا تو اپنے مشائخ کے طریقے کے مطابق اسلام کی سادہ انداز میں تبلیغ اور خلق خدا کے تزکیۂ نفس کی طرف توجہ دی اور اس کے لیے ہانسی کو منتخب کیا۔ جہاں اس سے پہلے آپ تجرد وتفرید کی زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ جب ہانسی کا چپہ چپہ آپ کے زہد وتقویٰ کی روشنی سے جگمگانے لگا اور جمال الدینؒ ہانسوی جیسا جوہر قابل بھی آپ کی جگہ لینے کے لائق ہو گیا تو آپ سیر وسیاحت کے لیے چل پڑے۔ مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے دیپال پور کے قریب قصبہ اجودھن پہنچے۔ یہاں کے لوگوں کی درشت طبعی اور اکھڑ مزاجی مشہور تھی۔ آپ نے دعوت وارشاد کے لیے اس فضا کو سازگار پایا تو ایک درخت کے نیچے فروکش ہو گئے۔ آہستہ آہستہ یہ چھوٹا سا قصبہ ایک بڑی آبادی میں تبدیل ہو گیا۔ ایک بڑی خانقاہ کی وجہ سے اس کی شہرت پنجاب ہی نہیں شمالی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔ یہاں آپ نے شادی بھی کی اور آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

اجودھن میں رہ کر آپ نے جہاں مسلمانوں میں موجود برائیوں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا وہاں غیر مسلموں کی کافی تعداد بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہوئی۔

جب ہدایت وراستی کے جام لنڈھانے شروع کیے تو مے کش دور دور سے اجودھن کا رخ کرنے لگے۔ ان میں ہر طبقے کے لوگ تھے، زاہد، مرتاض، رند بلا نوش اور زنار بدست غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والے غیر مسلموں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ پروفیسر آرنلڈ نامس کے مطابق ہندوستان کے سولہ بڑے بڑے قبائل نے آپ کے وعظ ونصیحت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ان قبائل میں ٹوانے، ڈو، سیال، راجپوت آج بھی آپ کو اپنا روحانی پیشوا سمجھتے ہیں۔

آپ کی خانقاہ کو شہرت حاصل ہوئی تو اجودھن میں بعض حاسد بھی پیدا ہونے لگے۔ ان حاسدوں میں ایک قاضی اجودھن تھا۔ جس نے ایک طویل عرصے تک آپ کی مخالفت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ علماء سے آپ کے خلاف فتوے لیے اور بدنہاد آمادۂ فساد لوگوں کے ذریعے آپ کو جسمانی تکلیف پہنچائی مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی۔

حضرت نظام الدین دہلوی فرماتے ہیں۔ شیخ المشائخ (بابا فریدؒ) مسجد میں حلقہ نشینوں سے مصروف گفتگو تھے۔ ایک شخص جو شکل وصورت سے مجذوب لگتا تھا آیا اور شیخ سے گفتگو کرنے لگا۔ آپ صبر وتحمل سے اس کی باتوں کا جواب دیتے رہے۔ آخر میں پوچھا ''تمہاری ناراضگی کا سبب کیا ہے۔ وہ شخص بولا۔ تم نے اپنے آپ کو بت بنالیا ہے اور لوگوں سے اپنی پوجا کراتے ہو'' آپ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ یہ سن کر وہ شخص آداب بجالایا اور کہنے لگا

۔یہ تحمل تا قیامت رہے، میں یہی دیکھنے آیا تھا، پھر وہ چلا گیا۔

آپ ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے مطابق گفتگو کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔امیر و غریب کی ان کے ہاں تفریق نہ تھی۔ نئے آنے والوں سے بھی یوں ملتے گویا برسوں کی شناسائی ہے۔ خلوت و جلوت کا معاملہ یکساں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ آپ سے محبت کرتے۔آپ کے پاس آنے والوں میں سلطان ناصر الدین اور غیاث الدین بلبن بھی تھے۔ ناصر الدین نے نائب السلطنت کے ذریعے چار گاؤں کی اراضی کا پروانہ اور ہزاروں اشرفیاں لنگر کے لیے بھجوائیں مگر آپ نے قبول نہ کیا اور کہا یہ ان کے پاس لے جاؤ جنہیں ان کی ضرورت ہو۔ سلطان غیاث الدین آپ کا معتقد تھا اور سلطنت کے حصول کو آپ کی دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا۔لیکن آپ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی تعلق نہ رکھا۔ایک شخص کو رقعہ دے کر بھیجا تو اس کی تحریر یوں تھی۔

''میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دیں گے تو حقیقی دینے والا اللہ ہے، آپ مشکور ہوں گے۔اگر نہیں دیں گے تو حقیقی مانع اللہ تعالیٰ ہے آپ معذور ہوں گے''۔

ارباب حکومت اور دنیا داروں سے بے تعلقی اور کنارہ کشی تا عمر رہی۔آپ کی حق گوئی بے مثال تھی۔مگر انداز اس قدر دل نشین تھا کہ سننے والا جھوم اٹھتا اور اپنے آپ کو آمادۂ عمل پاتا۔

ایک اہل کار اکثر آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ علاقہ کا گورنر اس سے ناراض اور ایذا پہنچانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے آپ سے سفارش کردی مگر گورنر باز نہ آیا۔ اہل کار پھر حاضر ہوا اور گورنر کی شکایت کی۔آپ نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

تم نے بھی کسی کا جائز کام نہیں کیا ہوگا، اس لیے گورنر سفارش نہیں مانتا۔ اہل کار نے تسلیم کیا۔ واقعی میں لوگوں کے جائز کام کرنے میں سستی کرتا ہوں آئندہ بھی ایسا نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا پھر سفارش بھی نہ ہوگی۔ گھر آکر پتہ چلا کہ گورنر نے خلعت حاضرہ بھجوائی ہے اور آپ کو مختلف علوم پر مجتہدانہ عبور حاصل تھا۔لیکن غرور و استکبار جو عام طور پر علماء میں پیدا ہو جاتا ہے آپ کے قریب نہ بھٹکا تھا بلکہ تواضع وانکساری نے جو صوفیائے مشائخ کو علمائے ظاہر سے ممتاز کرتی ہے۔آپ کے علمی مرتبے کو اس قدر ڈھانپ دیا تھا کہ اس دور کے علماء کو آپ کی علمی حیثیت تسلیم کرنے میں تامل تھا۔

مولانا بدرالدین اسحاق علوم عقلی و نقلی ہیں دستکار حاصل کرنے کے بعد دہلی میں درس دیا کرتے تھے۔ چونکہ آئینہ دل پر کالے حرفوں کی پر چھائیاں کچھ زیادہ گہری تھیں، اس لیے درویشوں کو حقیر سمجھتے۔ نظام خانقاہی کو ڈھونگ خیال کرتے اور علم کی جولان گاہوں سے گزر کر عشق کی کمین گاہوں میں آنے والوں کو عقل و خرد سے بے گانہ اور جاہل زمانہ گردانتے۔ اتفاق سے چند مسائل میں الجھ گئے اور ایسے الجھے کہ نکلنے کی راہ نظر نہ آئی ہم عصروں نے بھی ان مسائل و نکات کو حاصل کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ کتابیں کھنگال ڈالیں لیکن دل کا اطمینان حاصل نہ ہوا۔ علماء بخارا سے رجوع کرنے کا ارادہ لے کر گھر سے نکلے، راستے میں کچھ دوستوں سے ملاقات ہوئی جو میکدۂ فریدؒ کے بادہ خوار تھے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ان مسائل کو بابا فریدؒ کے سامنے پیش کیا جائے کیونکہ آپ کو علم ہی نہیں کہ معرفت و سلوک سے بھی آشنائی رکھتے ہیں۔ مگر مولانا بدرالدین راضی نہ ہوتے تھے۔ ان کا کہنا تھا ان فقیروں کو علم اور وہ بھی فلسفہ و منطق سے کیا واسطہ۔ دوستوں کے اصرار پر وہ بابا فریدؒ کے ہاں حاضر ہو گئے۔ تعارف کے بعد وہ مسائل پیش کیے جو ان کے قلبی اضطراب کا باعث تھے۔ آپ نے لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی بجائے سادہ انداز میں ان کا حل پیش کیا۔ مولانا بدرالدین اس ادا سے واقف نہ تھے۔ گھائل ہو گئے اور واپس جانے کے بجائے

خانقاہ کی درویشی اختیار کر لی۔

حضرت بابا فریدؒ ہزاروں دلوں کی دھڑکن اور افراد کے پیشوا بن چکے تھے، مگر آپ کے معمولات میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا، وہی فقر و درویشی توکل و قناعت، تقویٰ و طہارت ریاضت اور مجاہدے جو ہانسی میں آپ کا معمول تھا۔ حضرت نظام الدین دہلویؒ بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئے تو حالت یہ تھی کہ کئی کئی دن تک آپ کے گھر میں فاقے ہوتے۔

اس کے باوجود تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ آپ کئی دن کے روزے سے تھے۔ خواجہ نظام الدین: ''آج افطاری کا ارادہ ہے، خواجہ نظام الدین نے دیلے جو اس علاقے کا جنگلی اور بدذائقہ پھل ہے ابلنے کے لیے ہانڈی میں ڈالے تو انہیں یاد آیا کہ نمک موجود نہیں اور نہ نمک خریدنے کے لیے رقم۔ مسجد کے قریب دوکان تھی وہاں سے تھوڑا نمک ادھار لیا تاکہ قدرے ذائقہ تبدیل ہو جائے۔ شام کو جب یہ غذا آپ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے ایک لقمہ اٹھایا اور منہ کے قریب لے جا کر واپس رکھ دیا۔ پوچھا۔ یہ غذا مجھے کچھ مشکوک لگتی ہے۔ نظام الدین نے عرض کیا لکڑیاں مولانا بدرالدین دیلے شیخ جمال الدین اور پانی مولانا حسام الدینؒ لائے ہیں اور میں نے اپنے ہاتھ سے ابالا ہے۔ معاً انہیں یاد آیا نمک اُدھار لیا تھا۔ عرض کیا نمک قرض لے کر ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ غذا فقیر کے سامنے سے اٹھا لو، فقیر فاقوں سے مرجائے گا مگر اس کے لیے قرض لینا روا نہیں کیونکہ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے۔ آپ نے دل بے تاب پایا تھا۔ عشق و سرمستی کی دولت وافر مقدار میں عطا ہوئی تھی۔ ایک شخص حاضر ہوا چہرے سے ہوائیاں اڑ رہی تھیں پریشانی ہویدا تھی۔ قدم رکھتا کہیں، پڑتا کہیں تھا۔ بابا فریدؒ نے پوچھا۔ کیوں پریشان ہو؟ عرض کیا۔ بھائی مرض الموت میں مبتلا ہے اس لیے زیرو زبر ہوں۔ آپ نے فرمایا۔

جس حال میں تو اب ہے میں عرصہ ہوا اسی کیفیت سے دوچار ہوں، مگر کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

یہی بے تابیاں تھیں جو آپ کو سوز و گداز اور کیف و مستی کی وادیوں میں لے گئی تھیں۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے محبت خداوندی اور عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سینے روشن کر کے اٹھتے۔ ذوق و شوق، درد و عشق اور جذب الٰہی و خدا مستی کی صفات آپ کو معاصرین سے ممتاز کرتی ہیں۔

عشق و سرمستی کی صفات آپ کو معاصرین سے ممتاز کرتی ہیں۔

عشق و سرمستی کی ان کیفیتوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی زبان پر آجاتا تو آنسوؤں کی جھری لگ جاتی اور کوئی عبرت انگیز واقعہ سنتے تو پہروں بے کل رہتے۔

آپ نے اپنی زندگی خاندان چشتیہ کے مخصوص طرز اور مسلک کے مطابق گزاری۔ آپ نے لوگوں کو قلب و نور کی گہرائیوں اور اذہان اور فکر کی تبدیلی کے ذریعے بیدار کیا۔ سماں اور لوک رنگ آپ کا مخصوص طریقہ تھا۔ مقامی زبان میں اشلوک (گیت یا بول) کہے، جنہوں نے قلب و نظر کے زاویے بدل دیے اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے جس میں خرابی پیدا ہونے سے تمام جسم میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اگر وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور وہ ٹکڑا دل ہے۔ عوام الناس کے دلوں پر توجہ دینا شروع کی۔ جس پر کیمیا اثر نظر پڑی دل کی دنیا بدل دی۔ آپ کے صوفیانہ کلام میں رمزیت اور استعارہ ہے جو عوام الناس کو مسحور کرتا ہے چونکہ اس کلام کا تعلق وارادت قلب سے ہے اس لیے ہر خاص و عام محظوظ ہوتا ہے۔

اٹھ فرید استیا جھاروودے مسیت

QUARTERLY URDU

RAHBARE NOOR

MAKANPUR SHARIF, KANPUR
R.N.I.No. UPURD/054331/1347785/2019
L-POST REGISTRATION
"RAHBARE NOOR" K.P.(M.) /007/2021-23
MAKANPUR SHARIF, KANPUR, INDIA
PIN CODE-209202

عاشق اہل بیت عظیم و بے مثال شخصیت کے مالک حضرت نعمان بن ثابت
امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے 1294 ویں عرس پاک پر
ادارہ رہبر نور عالم اسلام کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔

CHIEF EDITOR
ABUL MASHARAB
SYED MUQTIDA HUSAIN JAFRI
H.O.: P.O. Makanpur Sharif, Kanpur Nagar, India- 209202
Please Contact us: 995667119, 8737967832
6394344966, 9760422993, 8840701867

Al-Madaar Offset Kanpur
Mob.: 8795601301, 9616584408